A-PDF Image To PDF Demo. Purchase from www.A-PDF.com to remove the watermark

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

سیریز
محمود فاروق فرزانہ اور انسپکٹر جمشید
101
فرضی زمین
اشتیاق احمد
Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

ناشر : طاہر ایس ملک
تزئین : محمد سعید نامدار
سرورق : انداز

اس ناول کے تمام واقعات، مقامات اور کردار
فرضی ہیں۔ کسی قسم کی شباہت یا مطابقت محض
اتفاقی امر ہو گی جس کے لیے مصنف یا پبلشر
ذمہ دار نہ ہوں گے۔

طاہر ایس ملک
نے (صفدر علی) لالہ عبدالرشید پرنٹرز، لاہور
سے چھپوا کر
انداز پبلی کیشنز (مطبوعات اشتیاق) لاہور
سے شائع کیا۔

قیمت : ۱۵/- روپے

مطبوعات اشتیاق
۹/۱۲ نصیر آباد مسلم پورہ، سانڈہ کلاں لاہور
فون : ۲۴۶۳۵۶ – ۲۱۱۲۹۶۹ –

انداز پبلی کیشنز
سیکنڈ فلور میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ
اردو بازار۔ لاہور۔

حدیث شریف

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت
ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا :
جو مسلمان با وضو خدا کو یاد کرتے ہوئے سو جاتا ہے، پھر رات کو
اٹھ کر خیر و برکت کی دعا کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا ضرور قبول
فرماتے ہیں۔
(رواۃ احمد، مشکوٰۃ)

دو باتیں

زخمی زمین حاضر ہے — آپ سوچ رہے ہوں گے، بھلا زمین بھی کہیں زخمی ہوتی ہے — میرا جواب یہ ہے کہ اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا، سبھی کچھ ممکن ہے اور زمین کا زخمی ہونا تو ذرا بھی مشکل نہیں۔ ناول پڑھ کر دیکھ لیجیے، بہت آسان نظر آئے گا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں، آپ بھی زخمی زمین جیسا کوئی چکر چلا دیں — چکر چلانا تو یوں بھی کوئی اچھا کام نہیں ہے۔ ہاں کوئی اچھا چکر چلائیں تو اور بات ہے — یہ لیجیے، اچھا چکر کے بارے میں تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔ چونکہ اس ناول میں فاروق کو یہ کہنے کا موقع نہیں مل سکا، شاید اسی لیے میں نے دو باتیں میں ذکر کر دیا۔ آپ نے منہ تو نہیں بنایا؟ محمود، فاروق اور فرزانہ کی دیکھا دیکھی کہیں آپ بات بے بات بُرے بُرے منہ تو نہیں بنانے لگے — مجھے ڈر ہے کہ اس بار کی دو باتیں پڑھ کر کہیں واقعی آپ کا منہ نہ بن جائے، لہٰذا خدا حافظ۔

شوقیہ چور

"مہربانی فرما کر میری ایک مشکل آسان کر دیجیے۔"

اس کے لہجے نے انسپکٹر جمشید پر گہرا اثر کیا۔ ادھیڑ عمر کا یہ آدمی ابھی ابھی دفتر میں داخل ہوا تھا اور بیٹھنے سے پہلے اس نے یہ جملہ کہہ ڈالا۔

"آپ تشریف تو رکھیے — مشکلات کو آسان کرنا تو اللہ کا کام ہے، بہر حال میں آپ کے کسی کام آ سکا تو مجھے خوشی ہو گی — دوسرے یہ کہ کام اگر میرے بس کا ہوا تو ضرور کروں گا۔"

"کام آپ کے عین بس کا ہے — بس آپ مجھ سے میری زمین خرید لیں۔" اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"جی کیا فرمایا؟ زمین خرید لوں۔"

"جی ہاں، میرے پاس تقریباً پانچ کنال جگہ ہے — میں ایک کسان ہوں۔ یہ زمین باپ دادا کے زمانے سے ہماری چلی آ رہی ہے۔ ان کے بعد مجھے مل گئی۔ میں اس پر ہل چلاتا ہوں اور سال بھر کی روزی کماتا ہوں۔ میری گزر بسر آسانی سے ہو جاتی ہے۔ دن رات آرام اور چین سے گزر رہے تھے،

"لیکن اب میرا سکون لٹ چکا ہے"

"وہ کیوں؟" انسپکٹر جمشید آگے کو جھک آئے۔

"کچھ لوگ میری زمین کو خرید لینا چاہتے ہیں، لیکن میں فروخت کرنا نہیں چاہتا — ان کا کہنا ہے، اگر میں نے زمین ان کے ہاتھ فروخت نہ کی تو وہ مجھے جان سے مار دیں گے"

"اوہو، اچھا — پھر تو یہ پولیس کیس ہے۔ آپ کو چاہیے تھا، سیدھے پولیس سٹیشن چلے جاتے اور ان کے خلاف رپورٹ درج کرا دیتے — پولیس خود ان لوگوں سے سمجھ لیتی" انہوں نے جواب دیا۔

ان کی بات سن کر وہ ہنسا اور بولا:

"آپ بھی کیا بات کرتے ہیں انسپکٹر صاحب، جیسے کچھ جانتے ہی نہیں — پولیس تو صرف اس کا ساتھ دیتی ہے، جو ان کی جیبیں گرم کر دے، اور میرے پاس ان کی جیبیں گرم کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے مگر ان لوگوں کے پاس بہت دولت معلوم ہوتی ہے۔ جو میری زمین کے پیچھے پڑے ہیں"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ وہ لوگ بہت مال دار ہیں"

"اس لیے کہ وہ زمین کے لیے بڑی سے بڑی رقم کی پیش کش کر چکے ہیں"

"اگر یہ بات ہے تو آپ کئی گنا قیمت لے کر زمین ان کے حوالے کیوں نہیں کر دیتے۔ آپ اور زمین خرید سکتے ہیں اور اس طرح آپ کے

پاس بہت رقم بھی بچ جائے گی"

"میں باپ دادا کی زمین نہیں بیچنا چاہتا" وہ بولا۔

"ٹھیک ہے، کوئی شخص زبردستی آپ سے آپ کی زمین نہیں خرید سکتا، لیکن سوال یہ ہے کہ آپ اپنی زمین مجھے کیوں فروخت کرنا چاہتے ہیں؟"

"عارضی طور پر، تاکہ ان لوگوں کا رخ آپ کی طرف ہو جائے۔ وہ میرا پیچھا چھوڑ دیں۔ میرے بیوی بچے بہت خوفزدہ رہنے لگے ہیں، ہماری راتوں کی نیند اڑ گئی ہے"

"اور وہ کون لوگ ہیں، جو زمین خریدنا چاہتے ہیں؟"

"پتا نہیں، مجھ سے تو پراپرٹی ڈیلر آکر بات کرتے ہیں — کبھی کوئی آتا ہے تو کبھی کوئی؛ گویا کئی آدمی زمین خریدنے کے خواہش مند ہیں۔ پتا نہیں، کیا چکر ہے — یکایک اتنے خریدار کیوں پیدا ہو گئے"

"دائیں بائیں کی زمینوں کے مالک تو خریدنے کے خواہش مند نہیں؟" انہوں نے پوچھا۔

"جی نہیں، وہ تو فروخت کرنے کے چکر میں ہیں۔ میں نے پراپرٹی ڈیلروں سے کہا بھی تھا کہ وہ لوگ میرے پڑوسیوں کی زمینیں کیوں نہیں خرید لیتے — لیکن ان کا کہنا ہے کہ صرف اور صرف آپ کی زمین خریدنے کے خواہش مند ہیں۔ اب آپ ہی بتائیے — ان حالات میں میں کیا کر سکتا ہوں، لہٰذا میں نے یہی سوچا، آپ سے مدد لوں — زمین کا مختار

آپ کو بتا دوں۔"

"ٹھیک ہے، آپ ایک مختار نامہ لکھ دیں ۔۔ اکرام، تم مختار نامے پر بطور گواہ دستخط کر دو ۔۔ ارے، لاحول ولا قوۃ، میں نے آپ کا نام تو پوچھا ہی نہیں اور نہ آپ نے بتایا۔"

"مجھے انعام باری کہتے ہیں۔"

"شکریہ، اب آپ مختار نامہ لکھ دیں اور جو بھی آپ کے پاس آئے اسے بتا دیں کہ آپ نے زمین میرے حوالے کر دی ہے اور ہاں اپنا پتا بھی لکھوا دیں۔ میں کسی وقت اس زمین کا معائنہ کرنے بھی آ جاؤں گا اور زمین کے تمام کاغذات بھی مختار نامے کے ساتھ لگا دیں۔"

"ضرور جناب، کیوں نہیں۔"

اس نے مختار نامہ لکھا ۔۔ دستخط کرائے، اپنا پتا لکھوایا اور شکریہ ادا کر کے چلا گیا ۔۔

"کیوں اکرام، کیا خیال ہے؟"

"زمینوں کے چکر چلتے ہی رہتے ہیں جناب، یہ بھی کوئی اسی قسم کا چکر ہے۔" اس نے کہا۔

"لیکن میرا ایسا خیال نہیں، کیونکہ خریدار خود سامنے نہیں آتے ۔۔ صرف پراپرٹی ڈیلروں کو بھیجتے ہیں ۔۔ آخر کیوں، وہ خود کو کیوں چھپانا چاہتے ہیں، وہ کون لوگ ہیں۔"

"تب پھر آپ کا کیا خیال ہے؟"

"یہ کوئی اور ہی چکر معلوم ہوتا ہے ۔۔ جگہ کا معائنہ کرنے اور کسی خریدار سے ملاقات ہونے پر ہی کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔"

اسی وقت چپراسی نے اندر داخل ہو کر کہا:

"جناب، کوئی آغا پراپرٹی ڈیلر آئے ہیں۔"

دونوں نے حیران ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا ۔۔ اتنی جلدی کسی پراپرٹی ڈیلر کے آنے کی انہیں ایک فی صد بھی امید نہیں تھی۔ آخر انہوں نے کہا:

"ٹھیک ہے، اندر بھیج دو۔"

جلد ہی ایک پھولے ہوئے جسم کا آدمی اندر داخل ہوا۔ اس کی آنکھوں سے لالچ ٹپک رہا تھا ۔۔

"میں نے سنا ہے جناب، انعام باری نے اپنی زمین آپ کے حوالے کر دی ہے۔"

"اور یہ ابھی چند منٹ پہلے کی بات ہے۔ آپ کو کیسے معلوم ہو گئی؟" انہوں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں ادھر سے گزر رہا تھا کہ انعام باری پر نظر پڑی۔ ان کی زمین کے سلسلے میں دو تین بار ان سے ملاقات ہو چکی ہے؛ چنانچہ میں نے پوچھ لیا کہ اب ان کا کیا پروگرام ہے۔ اس پر انہوں نے بتایا کہ انہوں نے تو زمین آپ کے حوالے کر دی ہے، سو میں نے سوچا، کیوں نہ آپ سے اسی وقت بات کر لی جائے۔"

"ٹھیک ہے، میں زمین فروخت کرنے کے لیے تیار ہوں۔" وہ بولے۔

"جی، کیا فرمایا — آپ زمین فروخت کرنے کے لیے تیار ہیں؟" ڈیلر نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"ہاں بالکل، لیکن میں چاہتا ہوں، جتنے بھی خریدار ہیں، موقع پر پہنچ کر بولی دیں، جو زیادہ سے زیادہ بولی دے گا زمین اسی کی ہوگی۔ قیمت نقد وصول کی جائے گی، یعنی موقع پر ہی۔"

"اوہ۔" ڈیلر دھک سے رہ گیا۔ پھر بولا:

"ٹھیک ہے جناب، میں اپنے گاہک سے بات کروں گا — کیا آپ نیلامی کا دن مقرر کرنا پسند فرمائیں گے؟"

"کیوں نہیں، یہ نیلامی آج شام چھ بجے ہوگی۔" وہ مسکرائے۔

"اوہ۔" اس کے منہ سے نکلا اور پھر وہ جلدی سے اُٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اس کے نکلتے ہی اکرام نے کہا:

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ اس طرح تو زمین فروخت ہو جائے گی۔ جب کہ انعام باری ایسا نہیں چاہتے۔"

"بس دیکھتے جاؤ۔ ہاں، میری طرف سے آج شام کے اخبار کے لیے زمین کی فروخت کا اشتہار دے دو۔ میں اسی وقت زمین کا معائنہ کرنے جا رہا ہوں۔ اخبار تین بجے بازار میں آجاتا ہے۔ ابھی کافی وقت ہے۔ چھپنا شروع نہیں ہوا ہوگا اور اشتہار میں زمین کا حدود اربعہ وغیرہ بھی آنا چاہیے۔"

جلد ہی وہ انعام باری کے گھر کی طرف اڑے جا رہے تھے۔

○

"میری سمجھ میں آج تک یہ بات نہیں آئی کہ بعض باتیں میری سمجھ میں کیوں نہیں آتیں۔" فاروق نے میز پر مُکا مارتے ہوئے کہا۔

"اس لیے کہ تم ناقص عقل کے مالک ہو۔" فرزانہ مسکرائی۔

"سوال تو یہ ہے کہ تمہارا اشارا کس بات کی طرف ہے؟" محمود بھنّا کر بولا۔

"آج سکول سے آتے ہوئے میں نے ایک شخص کو دیکھا — وہ آنکھ سے دُوربین لگائے ہوئے ایک دوسری عمارت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ آخر کیوں، وہ کیوں اس مکان کی طرف دیکھ رہا تھا؟"

"حیرت ہے، تمہاری سمجھ میں اتنی سی بات بھی نہیں آئی — بعض لوگوں کو تاک جھانک کی عادت ہوتی ہے۔" فرزانہ نے مذاق اُڑانے والے انداز میں کہا۔

"لیکن یہ معاملہ تاک جھانک کا نہیں ہے۔ وہ تو کوئی جرائم پیشہ نظر آتا تھا۔"

"اوہو، اچھا۔" محمود نے اچانک دل چسپی محسوس کی۔ جلدی سے بولا:

"پھر تم نے یہ بات اس وقت کیوں نہیں بتائی تھی؟"

"پہلے میں خود اس کی وجہ جاننے کی کوشش کرتا رہا، لیکن جب بات سمجھ میں نہیں آئی تو تم دونوں سے آ کر کر رہا ہوں — ہاں تو فرزانہ، میں تو ٹھہرا ناقص عقل کا مالک — اب ذرا تم بتاؤ، تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟"

"ہو سکتا ہے، وہ کوئی پرائیویٹ جاسوس ہو اور کسی کے کہنے پر اس گھر کی نگرانی کر رہا ہو" فرزانہ نے خیال ظاہر کیا۔

"ہمارے ملک میں پرائیویٹ جاسوس نہیں ہوتے نہ پرائیویٹ جاسوسی کے لائسنس دیے جاتے ہیں" محمود نے کہا۔

"لیکن کچھ لوگوں نے پرائیویٹ جاسوسی کا کام اپنا پھر بھی رکھا ہے۔ انہوں نے اپنے اداروں کے اوٹ پٹانگ قسم کے نام رکھے ہوئے ہیں" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"فرزانہ، تمہارا خیال بالکل غلط ہے — وہ شخص کوئی پرائیویٹ جاسوس نہیں تھا، کیونکہ وہ ایک معزز شہری کا گھر ہے اور ایک معزز شہری کسی پرائیویٹ جاسوس کو یہ اجازت ہرگز نہیں دے سکتا کہ اس کے گھر کی چھت سے جاسوسی کے فرائض انجام دے"

"تو کیا تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ وہ گھر کس کا ہے؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں، اس لیے کہ اس گھر کے دروازے پر نیم پلیٹ لگی ہوئی ہے

یوں بھی ہم اس گھر سے اچھی طرح واقف ہیں — اس میں فاروقی صاحب رہتے ہیں"

"فاروقی صاحب، تمہارا مطلب مشہور شاعر ہوش فاروقی سے ہے؟" محمود حیرت زدہ رہ گیا۔

"ہاں بالکل" اس نے کہا۔

فرزانہ بھی حیران رہ گئی۔ کیوں کہ ہوش فاروقی ایک بہت مشہور شاعر تھا۔

"حیرت ہے، ہوش فاروقی کو بھلا اپنے مکان سے کسی دوسرے مکان کی نگرانی کرانے کی ایسی کیا ضرورت پڑ گئی — بات بہت عجیب ہے، تو پھر ہم اسی راستے سے گھر کیوں نہ چلیں"

"ٹھیک ہے"

وہ ابھی ابھی سکول سے فارغ ہوئے تھے۔ معمول کے مطابق محمود اور فاروق اپنے سکول سے نکل کر فرزانہ کے سکول پہنچے تھے اور اسے لے کر گھر کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ یہ باتیں راستے میں ہوئی تھیں۔ جونہی فیصلہ ہوا، انہوں نے موٹر سائیکلوں کا رخ تبدیل کر لیا۔ وہ ہوش فاروقی کے گھر کی طرف جا رہے تھے — ان کا گھر بہت پرانے وقتوں کا تھا، لیکن تھا بہت بڑا اور شاندار — یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اسے گرا کر کبھی کوٹھی کی شکل دینے کی کوشش نہیں کی تھی — وہ اس پرانے مکان کے سامنے رک گئے۔

"ہاں بھئی۔ اب بتاؤ — تم نے دوربین والے آدمی کو کس جگہ دیکھا تھا؟" محمود بولا۔

"چھت پر، لیکن اب وہ وہاں نہیں ہے۔"

"اور وہ کس چھت کی طرف دیکھ رہا تھا؟" فرزانہ بولی۔

"سامنے جو سرخ رنگ کی عمارت نظر آ رہی ہے، دوربین کا رخ اسی کی طرف تھا۔"

"لیکن یہ عمارت تو کوئی سرکاری عمارت ہے — آؤ قریب چل کر دیکھیں — یہ کون سا محکمہ ہے؟"

انہوں نے موٹر سائیکلیں وہیں چھوڑ دیں اور دفتر کی طرف چلے۔ ہوش فاروقی کے پرانے مکان کے سامنے یہ عمارت کافی فاصلے پر تھی، لیکن درمیان میں کوئی عمارت نہیں تھی، اس لیے اگر کوئی فاروقی صاحب کے مکان سے کسی عمارت کی نگرانی کر سکتا تھا تو صرف اس عمارت کی، کیونکہ اس کے مکان کے پچھلی طرف ایک گھنا باغ تھا اور دوسری کوٹھیاں، مکانات یا عمارات اس سرکاری عمارت کے دوسری طرف تھے — فاروقی صاحب کے مکان اور اس عمارت کے درمیان ایک پتلی سی پختہ سڑک تھی۔ اسی سڑک سے گزر کر وہ سکول جایا کرتے تھے اور یہ راستا انہوں نے اس لیے اختیار کر رکھا تھا کہ پرسکون تھا — انہوں نے دیکھا، وہ عمارت محکمہ قدرتی وسائل کی تھی —

"محکمہ قدرتی وسائل۔" فاروق بڑبڑایا۔

"میں اس محکمے کے بارے میں جانتا ہوں — یہ مختلف قسم کے ماہرین پر مشتمل ہے — یہ ماہرین ملک میں جگہ جگہ گھوم پھر کر اور تجربات کر کر کے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے ملک میں کون کون سے خزانے پوشیدہ ہیں۔ مثلاً کانوں سے سونا اور دوسری معدنیات نکلنے کے امکانات تلاش کرتے ہیں — زمین کے نیچے کہیں تیل تو موجود نہیں — اسی ادارے نے کچھ مدت پہلے گیس تلاش کی تھی، جو پورے ملک کے لیے ایندھن کی ضرورت پوری کر رہی ہے۔" محمود کہتا چلا گیا۔

"لیکن کسی کو فاروقی صاحب کی کوٹھی سے اس عمارت کی نگرانی کرنے کی کیا ضرورت پڑ گئی؟" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میرا خیال ہے، ہمیں فاروقی صاحب سے ملاقات کر لینی چاہیے۔" محمود نے کہا۔

"اسی کو کہتے ہیں، آ بیل مجھے مار۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"لیکن اس مرتبہ بیل کو دعوت دینے کا سہرا تمہارے سر ہے۔" فرزانہ شریر انداز میں مسکرائی۔

"میں نے تو صرف یہ کہا تھا کہ فاروقی صاحب کے مکان کی چھت سے کوئی شخص دوربین کے ذریعے سامنے والی عمارت کی نگرانی کر رہا تھا۔"

"اور یہی بات سن کر ہم ادھر آئے تھے، اب پچھتا کیوں رہے ہو۔" فرزانہ بولی۔

"آؤ۔" محمود نے کہا اور فاروقی صاحب کے مکان کی طرف بڑھ گیا۔ دونوں نے اس کا ساتھ دیا۔

عین اسی وقت ایک نیلے رنگ کی لمبی سی کار فاروقی صاحب کے مکان میں داخل ہوتی نظر آئی — تینوں اور تیزی سے آگے بڑھے اور بے دھڑک اندر داخل ہو گئے — اس وقت تک کار رک چکی تھی۔ اس میں سے ایک لمبے قد کا بوڑھا آدمی نکلا اور پھر اس کی نظر ان پر پڑی۔ پہلے تو وہ چونکا، پھر حیرت بھرے لہجے میں بولا:

"تم لوگ انسپکٹر جمشید کے بچے تو نہیں ہو۔"

"آپ کا اندازہ بالکل درست ہے۔" فاروق خوش ہو کر بولا: "اور آپ فاروقی صاحب ہیں؟"

"ہاں فرمائیے! میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"آپ کہاں سے آ رہے ہیں؟" محمود نے جواب دینے کے بجائے سوال کر ڈالا۔

"ایک مشاعرے میں شرکت کے لیے گیا ہوا تھا، تین دن بعد لوٹا ہوں — کیوں؟" انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"تین دن لمبا مشاعرہ۔" فاروق نے حیرت زدہ انداز میں کہا اور فاروقی صاحب ہنس پڑے۔

"نہیں بھئی، مشاعرے سے ایک دن پہلے پہنچنے کی دعوت دی گئی تھی اور مشاعرے کے ایک دن بعد تک آنے نہیں دیا گیا — اس طرح تین دن لگ گئے، لیکن تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟" ان کے لہجے میں اب بھی حیرت تھی۔

"آپ کی عدم موجودگی میں گھر میں کون کون موجود رہا ہے؟" محمود نے اب بھی ان کی بات کا جواب نہ دیا۔

"کوئی بھی نہیں، میرے بیوی بچے تو اپنے نانا کے ہاں گئے ہوئے ہیں۔"

"تو آپ کا مکان تین دن تک بند پڑا رہا۔" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں بالکل، لیکن آخر بات کیا ہے؟ میں تم لوگوں کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں — تمہارے یہ سوالات بلاوجہ نہیں ہو سکتے اور تمہارا میرے ہاں آنا بغیر کسی وجہ کے نہیں — مہربانی فرما کر جلد بتائیں، معاملہ کیا ہے۔ اب میں بہت الجھن محسوس کر رہا ہوں۔"

"آپ کو الجھن محسوس کرنی بھی چاہیے — قدرتی بات ہے۔ خیر آپ بڑے شوق سے الجھن محسوس کریں، ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" فاروق جلدی جلدی بولا۔

"یہ — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"اوہو، شاید میں کچھ غلط کہہ گیا، کیوں محمود؟" فاروق بوکھلا اٹھا۔

"ہمیشہ ہی غلط کہہ جاتے ہو، کوئی نئی بات تھوڑی ہی ہے۔" فرزانہ بول پڑی۔

"آپ لوگ اپنی باتوں میں لگ گئے اور میری بات کا جواب اب تک نہیں ملا۔"

"مہربانی فرما کر ہمارے ساتھ ذرا چھت پر چلیے، اور ہاں، یہ بھی بتا دیجیے کہ آپ کے مکان میں کیا کوئی شخص داخل ہو سکتا تھا، جبکہ مکان بند پڑا تھا۔"

"کسی چور کے لیے اندر داخل ہونا اتنا مشکل نہیں۔ کیا آپ نے اندر کسی کو دیکھا ہے؟" انہوں نے گھبرا کر کہا۔

"جی ہاں، کچھ ایسی ہی بات ہے۔ آپ پہلے ہمیں چھت پر لے چلیے۔ اس کے بعد ہم دیکھیں گے کہ کوئی اندر کس طرف سے داخل ہو سکتا ہے۔"

"پچھلی طرف سے۔ ایک درخت چھت تک چلا گیا ہے۔ میں کئی بار اسے کٹوانے کے بارے میں سوچ چکا ہوں، لیکن کیا کروں، شاعر آدمی ہوں۔ اس درخت کے ساتھ بہت سی یادیں وابستہ ہیں۔ بس اسی لیے آج تک کٹوا نہیں سکا۔ کہنے کا مطلب یہ کہ اگر آپ لوگوں نے اندر کسی کو دیکھا تھا تو پھر وہ یقیناً اسی درخت کے ذریعے چھت پر پہنچا ہو گا۔ آپ کو زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ میرا سیف نہیں کھول سکتا۔"

"چلیے دیکھ لیتے ہیں آپ کے سیف کو بھی۔" فاروق نے کندھے اچکائے۔

"کیا مطلب، دیکھ لیتے ہیں میرے سیف کو بھی۔ کیا آپ لوگوں کا ارادہ بھی سیف توڑنے کا ہے۔" انہوں نے گھبرا کر کہا۔

"ارے نہیں جناب، آپ غلط سمجھے۔"

آخر وہ ان کے پیچھے مکان کے اندر داخل ہوئے اور پھر سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچے۔ مکان دو منزلہ تھا اور درخت اوپر تک آ گیا تھا۔ فاروقی صاحب کا کہنا غلط نہیں تھا۔ اس درخت کے ذریعے کوئی بھی ماہر شخص آسانی سے چھت پر پہنچ سکتا تھا۔

انہوں نے چھت کا جائزہ لیا۔ خاص طور پر اس جگہ کو دیکھا، جہاں فاروق کو وہ آدمی اوندھا لیٹا نظر آیا تھا۔ اس طرح کہ اس کی آنکھوں پر دوربین لگی ہوئی تھی۔ چھت پختہ نہیں تھی۔ اس لیے نشانات بالکل واضح تھے۔ جوتوں کے نشانات بھی صاف دکھائی دیے۔

"آپ ان نشانات کو دیکھ رہے ہیں۔" محمود بولا۔

"ہاں، بالکل دیکھ رہا ہوں۔ اس کا مطلب ہے، کوئی چور واقعی اس درخت کے ذریعے مکان کی چھت پر آیا تھا۔ تب وہ نیچے بھی اترا ہو گا۔" وہ بولے۔ اب ان کی آواز میں گھبراہٹ شامل ہو گئی تھی۔

"گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ کا تو خیال ہے، چور آپ کے سیف کو نہیں کھول سکتا۔"

"لیکن سیف سے باہر بھی تو کچھ قیمتی چیزیں موجود تھیں۔" یہ کہہ کر وہ زینے کی طرف لپکے — دوسرے ہی لمحے وہ نیچے کی طرف دوڑے جا رہے تھے۔

"ہمیں ان نشانات کی تصویریں بنوا لینی چاہئیں — آؤ نیچے چل کر فون کریں۔"

تینوں نیچے پہنچے — برآمدے میں محمود کو فون رکھا نظر آیا — اس نے فنگر پرنٹ سیکشن کو فون کیا اور فاروقی صاحب کے مکان پر پہنچنے کی ہدایات دیں — اتنے میں فاروقی صاحب دوڑتے ہوئے باہر نکلے۔ ان کے چہرے پر حیرت کے آثار بہت گہرے تھے۔

"وہ — وہ کچھ بھی نہیں لے جا سکا، نہ صرف سیف، بلکہ ہر چیز محفوظ ہے — لل، لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے — اگر وہ سیف نہیں کھول سکا تھا تو اور کئی قیمتی چیزیں تو لے جا ہی سکتا تھا — یہ کیا بات ہوئی۔"

"شاید وہ چیزیں لے جانے کا عادی نہیں تھا، صرف نقدی اور زیورات کا چور تھا۔" فرزانہ بولی۔

انہوں نے ایک ایک چیز کا جائزہ لیا، لیکن کہیں کسی گڑبڑ یا کمی کے آثار نظر نہ آئے، لیکن انہیں اس بات میں کوئی شک

نہیں تھا کہ چھت پر کوئی شخص ضرور آیا تھا اور بقول فاروق، وہ دور بین سے سامنے والی عمارت کی نگرانی کر رہا تھا — انہوں نے یہ بات ہوش فاروقی کو نہیں بتائی — تھوڑی دیر بعد فنگر پرنٹ والے آ گئے۔ انہوں نے چھت پر سے نشانات اٹھائے اور چلتے بنے۔

"فاروقی صاحب، اب ہمیں اجازت دیجیے۔"

"یہ معاملہ میری سمجھ میں نہیں آیا — اگر چور چھت تک آ گیا تھا تو اس نے کچھ چرایا کیوں نہیں؟"

"شاید وہ کوئی شوقیہ چور تھا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"کیا کہا، شوقیہ چور — میں سمجھا نہیں۔"

"اس کی باتیں ذرا کم ہی سمجھ میں آتی ہیں جناب، آپ کوئی خیال نہ کریں۔" محمود نے فاروق کی طرف گھور کر دیکھا۔

"خیر، اب مجھے کیا کرنا چاہیے — کیا میں پولیس میں رپورٹ درج کراؤں؟"

"ہاں ضرور، یہ بہت ضروری ہے۔ آپ سیف میں زیادہ نقدی یا زیورات تو نہیں رکھتے — یہ میں اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ شاید چور سیف نہ کھول سکا ہو اور وہ موقع پا کر پھر آئے۔" محمود نے کہا۔

"ارے باپ رے، آپ تو مجھے ڈرائے دے رہے ہیں۔ خیر میں زیادہ تر نقدی اور زیورات صبح ہی بینک میں جمع کرا دوں گا۔"

"ہاں، یہ ٹھیک رہے گا۔"

اور وہ فاروقی صاحب سے ہاتھ ملا کر رخصت ہوئے، لیکن ابھی
اندرونی دروازے سے نکل نہیں پائے تھے کہ ٹھٹک کر رہ گئے۔
اندر کہیں کسی کے چھینکنے کی آواز سنائی دی تھی۔

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

شوشہ چھوڑ دیا

انعام ہادی کا گھر معمولی سا تھا۔ دروازے پر گھنٹی کا بٹن بھی
نہیں تھا۔ انھوں نے دستک دی تو انعام ہادی نے ہی دروازہ کھولا
اور انہیں دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔
"اوہو، یہ آپ ہیں۔ تشریف لائیے۔"
"نہیں بھئی، آپ مجھے اسی وقت اپنی زمین پر لے چلیے۔ میں
ذرا اس کا معائنہ کروں گا۔"
"آئیے۔" اس نے کہا۔ انھوں نے اسے جیپ میں بٹھایا اور
روانہ ہو گئے۔

زمین شہر سے باہر تھی۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ وہاں
پہنچ گئے۔ انھوں نے زمین کے اس قطعے کو دیکھا۔ آس پاس کے
قطعات کو دیکھا، پھر بولے:
"آپ کی زمین کے چاروں طرف جو زمینیں ہیں، کیا ان
زمینوں کا کوئی مالک بھی آپ کی زمین خریدنے کی کوشش کر رہا ہے؟"

"نہیں، ان لوگوں کو زمین خریدنے کی کوئی خواہش نہیں۔ یہ تو اپنی زمینیں بیچنے کی فکر میں ہیں، کیونکہ یہاں فصل روز بروز کم ہوتی جا رہی ہے۔"

"تو کیا آپ کی فصل کم نہیں ہو رہی؟"

"ہاں، بے شک کم ہو رہی ہے، لیکن اس کے باوجود میں زمین نہیں بیچنا چاہتا، میں کم میں گزارا کر لوں گا، یا اس پر زیادہ محنت کروں گا، لیکن فروخت نہیں کروں گا۔"

"ٹھیک ہے، اب آپ اس زمین کا مختار مجھے بنا چکے ہیں۔ میں جو مناسب سمجھوں گا، قدم اٹھاؤں گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"مجھے آپ پر پورا پورا اعتماد ہے، نہ ہوتا تو آپ کے پاس کیوں جاتا۔"

"تو پھر آج چھ بجے یہاں پہنچ جائیے گا۔ میں اور کچھ اور لوگ بھی یہاں موجود ہوں گے۔"

"لیکن کس سلسلے میں؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بس دیکھتے جائیے گا۔" انہوں نے مسکرا کر کہا اور واپسی کے لیے مڑ گئے۔

دفتر پہنچ کر انہوں نے گھڑی کی طرف دیکھا۔

"اوہو، اخبار تو آ بھی چکا ہوگا۔"

"جی ہاں، آپ کی میز پر موجود ہے۔" اکرام نے کہا۔

انہوں نے اخبار میں اشتہار دیکھا اور پھر مطمئن انداز میں سر ہلایا، پھر فون کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ گھنٹی بج اٹھی۔

"ہیلو، انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔"

"یار جمشید، یہ کیا؟" دوسری طرف سے خان رحمان کی حیرت زدہ آواز سنائی دی۔

"کہاں کیا؟" وہ مسکرائے۔

"اس اخبار میں تمہاری طرف سے ایک اشتہار شائع ہوا ہے، نیلامی کا اشتہار — کیا تم نے زمینوں کی خرید و فروخت کا کام شروع کر دیا ہے، بھئی بہت افسوس کی بات ہے۔"

"کیا مطلب؟ افسوس کی بات کیوں ہے؟" انسپکٹر جمشید حیران رہ گئے۔

"افسوس کی بات اس طرح ہے کہ تم نے اکیلے ہی اکیلے اور چپ چپاتے زمینوں کی خرید و فروخت کا کام شروع کر دیا اور مجھ سے ذکر تک نہیں کیا، بھئی مجھے بھی اس کاروبار میں حصے دار بنا لیتے، میں بھی سرمایہ لگا دیتا۔"

"اوہو خان رحمان، تم غلط سمجھے — اور ہاں، میں تو تمہیں فون کرنے ہی والا تھا کہ الٹا تمہارا فون آ گیا — اس نیلامی میں تمہیں بھی حصہ لینا ہوگا۔"

"کک، کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ایک بڑی رقم بریف کیس میں ڈال کر زمین پر پہنچ جانا اور نیلامی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا۔۔۔ دیکھو، کوئی تم سے آگے نہ بڑھ جائے۔ قیمت اسی وقت نقد وصول کی جائے گی۔ جو شخص قیمت ادا نہیں کر سکے گا۔ نیلامی اس سے کم بولی دینے والے کے نام چھوڑ دی جائے گی، اس لیے خوب محتاط ہو کر آنا۔"

"ہاں، لیکن بھئی۔ میں وہ زمین کیوں خریدوں، میں کیا کروں گا اس کا۔" خان رحمان بوکھلا کر بولے۔

"اس لیے کہ میں کہہ رہا ہوں۔"

"بعض اوقات تو تم بہت ہی عجیب۔۔۔ اوہ سمجھا، کیا یہ کوئی جاسوسی چکر ہے؟"

"بہت دیر سے سمجھے۔ جلدی سے تیاری کر لو۔"

"تم فکر نہ کرو۔" خان رحمان نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

ٹھیک پانچ بجے انسپکٹر جمشید جیپ میں بیٹھ کر زمین کی طرف روانہ ہو گئے۔

○

چھینک کی آواز سن کر محمود، فاروق اور فرزانہ اچھل پڑے۔۔۔ ہوش فاروقی کے بھی ہوش اڑ گئے۔۔۔ اس نے کانپتی آواز میں کہا:

"ارے باپ رے، یہ چھینک کس کی تھی؟"

"یقینی طور پر کسی انسان کی ہی تھی۔ کوئی جانور نہیں چھینکا تھا۔" فاروق بول پڑا۔

"اور اس کا مطلب ہے، اندر کوئی شخص موجود ہے۔"

"اس کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"تو پھر فوراً بیرونی دروازہ بند کر دیں، کہیں چور فرار نہ ہو جائے۔" محمود بولا۔

ہوش فاروقی نے محمود کی آواز سن کر بھی اپنی جگہ سے حرکت نہ کی۔ شاید وہ بہت ڈر گئے تھے، لہٰذا فاروق نے دوڑ کر دروازہ بند کر دیا اور بولا:

"میں دروازے پر موجود رہوں گا، تم دونوں اسے مکان میں تلاش کرنا شروع کر دو۔"

"مکان بہت بڑا ہے۔ تلاش کرنے میں وقت لگ جائے گا۔ ہو سکتا ہے، چور کے پاس کوئی خطرناک ہتھیار ہو اور وہ چھپ کر وار کر بیٹھے۔ اس لیے کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم پولیس کو فون کر دیں۔ اور یہیں ٹھہر کر اس کا انتظار کریں۔۔۔ پولیس خود ہی آ کر اسے گرفتار کر لے گی۔۔۔ ہم بلا وجہ کیوں خطرہ مول لیں۔" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"مجھے اس تجویز سے پوری طرح اتفاق ہے۔"

"یہ کوئی نئی بات نہیں۔ میرے مقابلے میں تم ہمیشہ اسی کی تجویز سے اتفاق کیا کرتے ہو۔" فاروق نے منہ بنایا۔

محمود نے اسے گھور کر دیکھا اور پھر فون کی طرف بڑھ گیا۔

"آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے؟" ہوش فاروقی پریشان لہجے میں بولا۔

"چور سے ملاقات ہو گئی تو اس سے پوچھ کر آپ کو بتائیں گے کہ کیا ہو رہا ہے۔" فاروق منمنایا۔

"لیکن اب میں کیا کروں؟"

"چور کی گرفتاری تک ہمارے پاس موجود رہیں یا پھر اپنے کمرے میں بند ہو کر بیٹھ جائیں، چور سے ہم خود نبٹ لیں گے۔" فرزانہ بولی۔

"بہت بہت شکریہ، یہ ٹھیک رہے گا۔ میں اپنے کمرے میں جاتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، پولیس کے آنے اور چور کے گرفتار کر لیے جانے کے بعد ہم آپ کو اطلاع دے دیں گے کہ اب آپ باہر نکل سکتے ہیں۔ آپ کے لیے کوئی خطرہ نہیں۔"

"ٹھیک ہے، بہت بہت شکریہ۔" انہوں نے خوش ہو کر کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

پندرہ منٹ بعد کہیں جا کر پولیس پہنچی۔ ان کے ساتھ ایک

حوالدار آیا تھا۔ وہ انہیں نہیں پہچانتا تھا۔ لہذا تیوری چڑھا کر بولا۔

"کیا معاملہ ہے جناب؟"

"اس گھر میں ایک چور موجود ہے۔ اس چور کو گرفتار کرنا ہے۔" محمود بولا۔

"آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ اندر چور موجود ہے؟"

"ہم نے اسے چھت پر دیکھا تھا۔ مالک مکان سے ذکر کیا چھت کو دیکھا تو چور نظر نہ آیا۔ یہی خیال کیا کہ وہ فرار ہو گیا۔ لیکن پندرہ بیس منٹ پہلے جب ہم مایوس ہو کر باہر کا رخ کر رہے تھے تو اندر کسی کی چھینک سنائی دی۔ اس سے ہم نے نتیجہ نکالا کہ چور اندر ہی کہیں چھپا ہوا ہے۔"

"لیکن گھر کا کوئی فرد بھی تو چھینک سکتا ہے۔ چھینکنا صرف چوروں کو ہی تو نہیں آتا۔" حوالدار نے عقل مندی جھاڑی۔

"جی ہاں، اس میں کوئی شک نہیں کہ گھر کے افراد بھی چھینک سکتے ہیں، بلکہ چور سے کہیں بہتر آواز میں چھینک سکتے ہیں، لیکن مشکل یہ ہے کہ ہوش فاروقی صاحب کے گھر میں اس وقت ان کے علاوہ کوئی موجود نہیں اور جب چھینک سنی گئی، اس وقت ہوش صاحب ہمارے ساتھ ہی تھے، لہذا وہ چھینک ان کی تو ہرگز نہیں تھی۔"

"اوہ، تو یہ بات ہے۔ خیر آپ فکر نہ کریں۔ ہم، لیکن نہیں آپ کا کہنا ہے کہ گھر میں ہوش صاحب کے علاوہ کوئی نہیں، تو پھر

آپ تینوں کون ہیں ؟ کیا آپ مکان کے اندر موجود نہیں ہیں ؟"

"یہ بھی ٹھیک ہے، ہم واقعی مکان کے اندر موجود ہیں، لیکن چور نہیں ہو سکتے، کیونکہ جب چھینک کی آواز سنی گئی — اسی وقت ہم تینوں ہوش صاحب کے ساتھ تھے" فاروق نے کہا۔

"میں نے پوچھا ہے، آپ ہیں کون ؟" وہ بھنّا اٹھا۔

"ہم، آپ ہمیں راہگیر سمجھ لیں — امن پسند شہری سمجھ لیں۔ ہم نے اس مکان میں ایک چور کو دیکھا اور رک گئے، تاکہ مالک مکان کو بتا سکیں"

"شکریہ، اب آپ اپنا فرض پورا کر چکے، لہذا جا سکتے ہیں، ہم چور کو خود ہی تلاش کر لیں گے"

"کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم بھی چور کو دیکھ لیں، ذرا دیکھیں تو سہی، چور کیسا ہوتا ہے" فاروق نے مسمسی صورت بنائی۔

"بالکل آپ جیسا ہوتا ہے، لہذا اب جائیے" حوالدار بولا۔

"چور کی دریافت کا سہرا ہمارے سر ہے۔ مالک مکان کو تو معلوم بھی نہیں تھا۔ ان حالات میں کیا ہماری گواہی نہیں لکھیں گے آپ!" محمود بولا۔

"اوہ ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔ خیر آپ لوگ یہیں ٹھہریں۔ میں ابھی اندر سے چور کو گرفتار کر لاتا ہوں" یہ کہہ کر وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اندر کی طرف چل پڑا۔

"ایک منٹ جناب، آپ نے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ مالک مکان کہاں ہے" فاروق نے شریر لہجے میں کہا۔

"تو بتائیے نا ؟" وہ بھنّا کر پلٹا۔

"وہ اپنے کمرے میں بند ہیں، لہذا ان کا کمرہ کھلوانے کی کوشش نہ کیجیے گا، کیونکہ وہ چور سے خوف زدہ ہیں۔ پہلے چور کو گرفتار کریں — اس کے بعد انہیں باہر نکلنے کے لیے کہیں"

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے" اس نے جلدی سے کہا اور غصے میں آتے ہوئے بولا: "لیکن تم لوگ مجھے ہدایات دینے والے کون ہوتے ہو"

"جی — کوئی بھی نہیں جناب، کوئی بھی نہیں" فاروق نے گھبرا کر کہا اور وہ گھورتا ہوا اندر کی طرف بڑھ گیا۔

"یہ چکر میری سمجھ میں نہیں آیا — خیر، چور گرفتار ہو جائے پھر دیکھیں گے"

"ادھر ہم لیٹ ہو رہے ہیں — امی جان پریشان ہونا شروع ہو گئی ہوں گی" فرزانہ بڑبڑائی۔

"کیا کیا جا سکتا ہے — چور کی گرفتاری تک تو ٹھہرنا ہی ہوگا" محمود بولا۔

پندرہ منٹ بعد حوالدار اور اس کے ماتحت منہ لٹکائے واپس آ گئے۔

"تمہاری رپورٹ بالکل غلط تھی — اندر کوئی چور وور نہیں ہے"
حوالدار قریب آتے ہوئے بولا۔

"کیا کہا، اندر کوئی چور نہیں ہے، لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے
اس کی چھینک ہم نے اپنے کانوں سے سنی تھی"

"تم لوگوں کے کان بجے ہوں گے یا پھر چور کے فرشتے نے چھینک
ماری ہوگی" وہ بولا۔

"چور کا فرشتہ اگر یہاں موجود ہے تو پھر چور بھی یہیں کہیں موجو[د]
ہوگا" فاروق نے فوراً کہا۔

"آپ لوگ یہیں ٹھہریے۔ ہم ابھی چور کو آپ کی خدمت میں
پیش کرتے ہیں" محمود نے تنگ آکر کہا۔

"تت، تم — تم پکڑوگے چور کو" اس نے مذاق اڑانے وال[ے]
انداز میں کہا۔

"ہاں، یہ کیا مشکل ہے — بس دیکھتے جائیے — آؤ بھئی"
محمود بولا۔

تینوں نے ایک ایک کرکے سارا مکان دیکھ ڈالا، لیکن چور کا
کہیں نشان تک نہ ملا — اب تو ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی
اگر انہوں نے اندر چھینک کی آواز نہ سنی ہوتی تو اور بات تھی —
مکان سے نکلنے کا راستہ بھی کوئی اور نہیں تھا — چور یا تو بیرونی دروازے
سے فرار ہو سکتا تھا یا پھر چھت کے راستے، لیکن بیرونی دروازہ اد[ھر]

زینے کا راستہ برابر ان کی نظروں میں رہا تھا۔ سوچ میں گم وہ بیرونی
دروازے کی طرف آئے۔

"کیوں، پکڑ لیا چور؟" حوالدار کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔

"نن نہیں، چور تو واقعی اندر نہیں ہے"

"میں نے پہلے ہی کہا تھا، تم لوگوں نے ضرور مذاق کیا ہے۔
تم نے چھت پر کسی کو نہیں دیکھا تھا — بس یوں ہی شوشہ چھوڑ دیا۔
لیکن میں ایسے شوشوں میں آنے والا نہیں — تم نے قانون کے محافظوں
کے ساتھ مذاق کیا ہے، لہذا تمہیں ہمارے ساتھ تھانے چلنا ہوگا —
لیکن اس سے پہلے ہم مالک مکان سے ملیں گے۔ وہ بے چارے
بلاوجہ خوف زدہ اپنے کمرے میں گھسے ہوئے ہیں"

"ذرا ٹھہریے جناب، آپ نے اور ہم نے سارا مکان ضرور دیکھ
ڈالا ہے، لیکن ایک کمرہ ابھی تک نہیں دیکھا گیا" فرزانہ بول اٹھی۔

"کون سا کمرہ؟" اس نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔

"مالک مکان کا کمرہ، جس میں وہ بند ہے۔ کیا خبر، چور پہلے
سے اسی کمرے میں موجود رہا ہو"

"اوہ، اس طرف تو ہم نے توجہ ہی نہیں دی" حوالدار بولا
اور جلدی سے ہوش فاروقی کے کمرے کی طرف بڑھا — انہوں نے
بھی قدم اٹھا دیے۔ حوالدار نے دروازہ دھڑ دھڑا ڈالا، پھر بلند آواز
میں بولا:

"ہیلو، ہوش صاحب، آپ اندر خیریت سے تو ہیں۔ چور اندر تو نہیں ہے؟"

"نن نہیں — چور کا یہاں کیا کام؟" اندر سے ہوش صاحب کی آواز سنائی دی۔

"تو پھر دروازہ کھول دیجیے، کیونکہ چور گھر میں کہیں بھی نہیں ہے۔ آپ لوگوں کو ضرور وہم ہوا ہے۔"

"دروازہ کھول دوں — لیکن مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" ہوش صاحب کی ڈری ڈری آواز سنائی دی۔

"اب آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں جناب، آپ دروازہ کھول دیں۔" محمود نے کہا۔

"اچھا آپ کہتے ہیں تو کھولے دیتا ہوں۔" اندر کے الفاظ سُن کر حوالدار نے انہیں گھور کر دیکھا۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔

انہوں نے دیکھا، ہوش فاروقی کا چہرہ زرد تھا۔ آنکھوں میں خوف دوڑ رہا تھا — فرزانہ تیزی سے اندر داخل ہوئی اور پھر سامنے والی دیوار تک چلی گئی — وہاں جا کر تیزی سے مڑی اور پھر دھک سے رہ گئی۔

اتنی دیر میں محمود اور فاروق بھی اندر آ چکے تھے — انہوں نے

دیکھا، دروازے کے ساتھ دیوار سے ایک شخص لگا کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کھلا چاقو تھا — اور گلے میں دوربین لٹک رہی تھی۔

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

زمین کی قیمت

"لیجیے جناب، چور حاضر ہے۔" فرزانہ خوش ہو کر بولی۔

"کیا مطلب، چور حاضر ہے۔ کہاں ہے چور؟" حوالدار حیران کر بولا۔

"یہ رہا، اندر آ جائیے۔"

وہ اندر داخل ہوئے اور چور کو دیکھ کر دھک سے رہ گئے۔

"اے۔ تم، تم چاقو نیچے گرادو۔"

"ہرگز نہیں۔ میں اس چاقو سے تم لوگوں کی آنتیں باہر نکال دوں گا اور یہاں سے فرار ہو جاؤں گا۔ بہتر یہی ہے کہ میرے راستے میں نہ آؤ۔"

"دو، دیکھو۔ ہوش کے ناخن لو۔ ہم تمہارا بھرکس نکال دیں گے"

"ہونہہ، لو میں آیا۔" چور بولا۔ ساتھ ہی اس نے چاقو والا ہاتھ لہرایا۔ حوالدار اور اس کے کانسٹیبل خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے۔ کے لیے راستا صاف تھا۔ وہ اندھا دھند دروازے سے گزرنے

لیکن منہ کے بل زمین پر گرا۔ محمود نے نہایت صفائی سے اپنی ٹانگ اڑائی تھی۔

"اسے کہتے ہیں سرکاری ٹانگ۔" فاروق بولا۔

چور پھرتی سے اٹھا اور محمود پر حملہ آور ہوا۔ محمود نے ایک جھکائی دی اور چور اپنی ہی جھونک میں آگے کی طرف لڑکھڑا گیا۔ ایسے میں فاروق نے اس کی کمر پر ایک دوہتڑ رسید کر دیا، وہ پھر اوندھے منہ گرا۔

"بھئی واہ، کتنا شان دار دوہتڑ تھا۔" فرزانہ نے داد دی۔

"کھڑی باتیں بناتی رہا کرو، ہاتھ پیر چلانے کا کام نہ کیا کرو۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"اچھا، مشورے پر عمل کروں گی۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

اب جو چور اٹھا تو اس کا منہ خون آلود نظر آیا اور اس حالت میں وہ پہلے کی نسبت کافی خوف ناک لگا۔ حوالدار اور اس کے ساتھی اور بھی خوف زدہ ہو گئے اور کمرے کی دیواروں سے جا لگے۔ چاقو ابھی تک چور کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے خوف ناک انداز میں محمود پر حملہ کیا۔ محمود اچھل کر پیچھے ہٹا اور اس بار فاروق کی ٹانگ چل گئی۔

اس بار جو وہ گرا تو پھر نہ اٹھ سکا۔

"اب بھی اسے گرفتار کریں گے یا اس کا بھرکس نکال کر آپ کی خدمت میں پیش کریں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"یہ چور کیا چیز ہے۔ ہم نے تو بڑے بڑے چوروں کو گرفتار کیا
ہے۔ تم لوگ رہنے دو، ہم اسے دیکھ لیں گے۔" یہ کہہ کر حوالدار جی
آگے بڑھے۔ کانسٹیبل بھی آگے بڑھے اور سب نے مل کر چور کو
قابو میں کر لیا۔ چاقو اس کے ہاتھ سے پہلے ہی گر چکا تھا، ورنہ شاید
حوالدار اب بھی آگے نہ بڑھتا۔

"اب اسے حوالات میں بند کر دیں۔"

"تم لوگوں کو بھی ساتھ چلنا ہو گا۔ تمہارا بیان بھی قلم بند ہو گا"

"حوالدار صاحب، شاید آپ نہیں جانتے۔ بھئی، یہ انسپکٹر جمشید کے
بچے ہیں۔"

"کیا؟" حوالدار بوکھلا کر بولا، پھر اس نے گھبرا کر کہا۔

"اوہ، معاف کیجیے گا۔ میں آپ کو پہچانتا نہیں تھا۔"

"پہلے، خیر کوئی بات نہیں۔ اب تو پہچان گئے ہیں۔" محمود نے کہا
اور ہوش فاروقی صاحب کی طرف مڑا:

"چور کو اپنے کمرے میں دیکھ کر آپ نے شور کیوں نہیں مچایا۔"

"شور کس طرح مچاتا۔ اندر داخل ہونے اور دروازہ بند کرنے
کے بعد اس پر میری نظر پڑی تھی۔ چاقو اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس
نے دبی آواز میں کہا۔ خبردار، اگر آواز حلق سے نکالی تو چاقو سینے
میں اتار دوں گا۔ ان حالات میں میں کیا شور مچاتا۔"

"ہوں، آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ کیا آپ نے اس شخص کو پہلے

کبھی دیکھا ہے؟"

"نہیں، پہلی بار ہی دیکھ رہا ہوں۔"

"کیوں مسٹر، تم دوربین لیے چھت پر کیا کر رہے تھے؟"

"آس پاس کے مکانات کا جائزہ لے رہا تھا کہ کس کس گھر
میں چوری آسانی سے ہو سکتی ہے۔ میں ایک گھر میں چوری کرتے
وقت دوسرے گھروں کا بھی جائزہ لے لیتا ہوں۔ یہ دوربین اسی کام
آتی ہے۔"

"ہوں، تو یہ بات تھی۔ خیر جناب، اسے لے جائیے۔ ہم اس
سے پوچھ گچھ کرنے کے لیے تھانے آئیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔" اس نے کہا اور چور کو لے کر چلے گئے۔

اب وہ بھی واپس جانے کے سوا کیا کر سکتے تھے، گھر پہنچے۔
انھوں نے اپنی امی کے چہرے پر حیرت کے آثار نمایاں دیکھے۔

"خیر تو ہے امی جان، آپ کے چہرے پر حیرت کے آثار کس
خوشی میں ہیں؟"

"تم نے شام کا اخبار دیکھا ہے؟"

"جی نہیں تو۔ ہم تو دراصل شام کے چور کو دیکھ کر آ رہے
ہیں۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"شام کے چور کو، کیا مطلب؟" انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

"پہلے آپ بتائیے، بات کیا ہے؟"

"یہ دیکھو۔" انہوں نے اخبار تینوں کے آگے کر دیا اور ایک اشتہار کی طرف اشارا کیا۔

یہ ایک نیلامی کا اشتہار تھا — اس اشتہار کو پڑھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی، پھر محمود نے جلدی سے گھڑی کی طرف دیکھا اور بولا:

"نیلامی شروع ہونے میں زیادہ وقت نہیں رہا، آؤ چلیں۔"

"ارے ارے۔" بیگم جمشید بولیں، لیکن وہ بھلا کہاں رکنے والے تھے — موٹر سائیکلوں پر جب وہ اس زمین پر پہنچے تو انہوں نے نیلامی کرنے والے کی آواز سنی — وہ بلند آواز میں کچھ کہہ رہا تھا اور نزدیک پہنچنے پر انہوں نے اس کے الفاظ سنے:

"بالکل نقد رقم وصول کی جائے گی، ایک منٹ کا بھی ادھار نہیں ہوگا — ادھر بولی چھوٹے گی، ادھر رقم ادا کرنا ہوگی، لہذا جس کے پاس بولی کے مطابق رقم نہ ہو، وہ حصہ نہ لے۔"

انہوں نے دیکھا، ان کے والد ایک کرسی پر بیٹھے تھے — خان رحمان بھی نظر آئے۔ آٹھ نو آدمی اور موجود تھے، لیکن ان میں سے ایک آدمی ایسا بھی تھا، جس کے چہرے پر حیرت کے شدید بادل تھے۔

انسپکٹر جمشید کی نظر ان پر پڑی تو مسکرا کر بولے:

"تو تم لوگ بھی آگئے۔"

"جی بس، اخبار میں اشتہار پڑھا تو چلے آئے۔"

"ہوں، آؤ بیٹھو۔" وہ بولے۔

"لیکن جناب، یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ میں ہرگز ہرگز اس زمین کو فروخت کرنے کے حق میں نہیں ہوں۔" اس آدمی نے کہا جو انہیں بہت خوف زدہ نظر آ رہا تھا۔

"دیکھیے انعام باری صاحب، آپ زمین کا مختار مجھے بنا چکے ہیں۔ اب یہ میری مرضی ہے کہ جو چاہوں، کروں۔"

"یہ غلط ہے، میں نے آپ کو مختار اس لیے بنایا تھا کہ کوئی میرے پاس زمین کو خریدنے کے سلسلے میں نہ آئے۔"

"اور آپ فکر نہ کریں، کوئی آپ کے پاس نہیں آئے گا۔" وہ بولے۔

"اف خدا، یہ میں کیا غلطی کر بیٹھا۔" انعام باری نے کپکپاتی آواز میں کہا —

"معاملہ کیا ہے ابا جان؟"

"ابھی بتائے دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ اس آدمی کی طرف مڑے جو ابھی ابھی بولی کی شرائط بتا رہا تھا۔

"مسٹر آذر، بولی میں حصہ لینے والے سب حضرات کے نام اور پتے نوٹ کر لیں — اس کے بعد بولی شروع کریں۔"

"جی بہتر۔" اس آدمی نے کہا — اور نام پتے لکھنے لگا۔ انسپکٹر جمشید انہیں ساری بات بتانے لگے —

"حیرت ہے ابا جان، آخر آپ اس معاملے میں کیوں پڑ گئے؟"

"مسٹر انعام باری کی پریشانی دُور کرنے کے لیے۔" وہ مسکرائے۔

"لیکن جناب، میری پریشانی میں تو لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔"

"جب کہ آپ کو قطعاً فکر نہیں کرنا چاہیے۔ معاملہ آپ میرے ہاتھ میں دے چکے ہیں۔"

"فکر کیوں نہ کروں۔ میں اس زمین کو فروخت نہیں کرنا چاہتا، اور آپ اسے نیلام کر رہے ہیں۔" وہ بولا۔

"بس دیکھتے جائیے۔" وہ بولے۔

اسی وقت آذر ان کی طرف مڑا اور بولا:

"میں نے سب کے نام اور پتے نوٹ کر لیے ہیں جناب۔"

"بہت خوب، تو پھر نیلامی شروع کر دیں۔"

"بہت بہتر، لیجیے جناب، تیار ہو جائیے۔ اس انتہائی قیمتی زمین کی بولی اب شروع ہوتی ہے — ایک منٹ، میں ایک بات تو پوچھنا بھول ہی گیا۔" یہ کہہ کر انہوں نے اپنا رُخ انعام باری کی طرف موڑا اور بولے:

"مسٹر انعام باری، ان اطراف کے نرخوں کے مطابق یہ زمین کس قدر مالیت کی ہو گی؟"

"جی صرف بیس ہزار روپے کی۔"

"بیس ہزار روپے کی؟ تب تو یہ بہت ہی سستی ہے اور آپ اسے کتنے میں فروخت کرنا پسند کریں گے۔"

"میں کیوں پسند کرنے لگا۔"

"اگر آپ فروخت کرنا پسند کرتے تو اسے کتنے میں فروخت کرتے۔"

"بیس ہزار میں ہی۔" انہوں نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ — مسٹر آذر، نیلامی بیس ہزار روپے سے شروع کریں۔"

"جی بہت بہتر۔"

"جناب، میں ایک بار پھر کہے دیتا ہوں۔ میں آپ سے اپنی زمین ہی لوں گا۔" انعام باری نے پریشان ہو کر کہا۔

"فکر نہ کریں، میں سمجھتا ہوں۔"

آذر نے اشارا پا کر نیلامی شروع کی۔

"زمین کے اس قطعے کے بیس ہزار ایک، بیس ہزار دو......"

"تیس ہزار۔" ایک شخص نے اٹھ کر کہا۔

"تیس ہزار ایک، تیس ہزار دو......"

"پچاس ہزار۔" ایک اور بولا۔

اسی طرح نیلامی بڑھتی چلی گئی — یہاں تک کہ پانچ لاکھ تک جا پہنچی۔ اب تو انعام باری کی حیرت کا ٹھکانا نہ رہا —

مسٹر انعام باری، اب کیا خیال ہے۔ زمین فروخت کرنا پسند کریں گے یا نہیں؟" انسپکٹر جمشید نے سرگوشی کی۔

"کک — کر دیجیے، بالکل کر دیجیے۔" انہوں نے کانپ کر کہا اور وہ مسکرا دیے۔ ادھر خان رحمان نے اٹھ کر کہا:

"چھ لاکھ روپے۔"

کچھ لوگ دھک سے رہ گئے۔ ابھی تک کسی نے یک دم ایک لاکھ روپے نہیں بڑھائے تھے۔

"چھ لاکھ روپے ایک، چھ لاکھ روپے دو......"

"سات لاکھ روپے۔" ایک اور بولا۔

"آٹھ لاکھ روپے۔" خان رحمان نے فوراً کہا۔

اور لوگوں کے سانس سینے میں اٹکنے لگے — بیس ہزار روپے کی زمین کے آٹھ لاکھ روپے لگائے جا چکے تھے، لیکن خان رحمان کے مقابلے میں جو تین آدمی بولی دے رہے تھے، وہ بھی کسی طرح ہار ماننے کے لیے تیار نہیں تھے — خان رحمان کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ یہ کیا چکر ہے — انسپکٹر جمشید ان کے ذریعے نیلامی کیوں دلوا رہے ہیں — اب ان کے مقابلے میں صرف تین آدمی رہ گئے تھے اور تینوں کے تینوں بہت پر جوش نظر آ رہے تھے — نہ جانے کیوں خان رحمان فکر مند ہو گئے۔ اسی وقت آذر نے کہا:

"آٹھ لاکھ روپے ایک، آٹھ لاکھ روپے دو، آٹھ لاکھ روپے......"

"دس لاکھ روپے۔" تین میں سے ایک نے کہا۔

خان رحمان نے پریشان ہو کر انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھا، جیسے کہہ رہے ہوں، یار جمشید، یہ تم نے مجھے کس چکر میں پھنسا دیا — اب میں کیا کروں، لیکن انسپکٹر جمشید تو مسکرا رہے تھے؛ چنانچہ انہوں نے فوراً کہا:

"بارہ لاکھ روپے۔"

"پندرہ لاکھ روپے۔" تین میں سے ایک نے کہا۔

"سولہ لاکھ روپے۔" تین میں سے دوسرے نے کہا۔

انسپکٹر جمشید نے جلدی سے خان رحمان کی طرف دیکھا، لیکن وہ خاموش رہے، اسی وقت تیسرے نے کہا:

"بیس لاکھ روپے۔"

"بیس لاکھ روپے ایک، بیس لاکھ روپے دو، بیس لاکھ روپے تین۔"

اور بولی تیسرے نام پر ختم ہو گئی — انسپکٹر جمشید کو اپنی سٹی گم ہوتے محسوس ہوئی — انہوں نے خان رحمان کی طرف گھور کر دیکھا، ادھر خان رحمان سکتے کے عالم میں بیٹھے تھے — تیسرا آدمی بریف کیس کھول چکا تھا اور سرخ سرخ نوٹوں کی گڈیاں میز پر لگا رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے بیس لاکھ روپے میز پر سجا دیے۔

"زمین کے کاغذات میرے حوالے کر دیں — کل رجسٹری کرا لوں گا۔"

اس نے کہا۔

باقی دو بھی سکتے کے عالم میں بیٹھے رہ گئے تھے، پھر انعام باری تڑ سے گرا اور بے ہوش ہو گیا۔ شاید وہ بے پناہ خوشی برداشت نہیں کر سکا تھا۔ بیس ہزار روپے کی زمین بیس لاکھ روپے میں فروخت ہو گئی تھی۔ خریدنے والا آغا پراپرٹی ڈیلر تھا۔ اس کے علاوہ جتنے لوگ بھی بولی دینے آئے تھے، سب کے سب پراپرٹی ڈیلر آئے تھے؛ گویا اصل خریدار سامنے نہیں آئے تھے — اور یہ ایک عجیب ترین بات تھی۔

"یہ لیجیے کاغذات۔" انسپکٹر جمشید بولے اور پھر انعام باری کی طرف متوجہ ہو گئے۔ تھوڑی دیر کی کوشش کے بعد انہیں ہوش آ گیا۔

"کک، کیا میری زمین واقعی بیس لاکھ روپے میں فروخت ہو گئی ہے۔ میں نے ابھی ابھی کوئی خواب تو نہیں دیکھا تھا؟"

"نہیں، یہ حقیقت ہے۔ زمین بک گئی ہے۔" انھوں نے کہا۔

"اور اب میں بیس لاکھ کا مالک ہوں۔" انہوں نے کانپتی آواز میں کہا۔

"ہاں، انعام باری صاحب، لیکن آپ تو زمین بیچنا نہیں چاہتے تھے۔"

"ٹھیک ہے، لیکن اس وقت مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ قیمت اس قدر بڑھ چڑھ کر دی جائے گی۔ میرا تو خیال تھا کہ یہ لوگ زیادہ سے زیادہ پچاس ہزار روپے دے دیں گے اور اتنی رقم لینے سے بہتر میں یہ سمجھتا تھا

کہ زمین ہی میرے پاس رہے۔"

"اس کا مطلب ہے، آپ کو اب مجھ سے کوئی شکایت نہیں۔"

"جی نہیں، بلکہ میں تو آپ کا بہت شکرگزار ہوں۔"

"لیکن مجھے بہت افسوس ہے۔" انسپکٹر جمشید نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب، افسوس ہے۔" انعام باری نے حیرت بھری آواز میں کہا۔

"ہاں، مجھے افسوس اس لیے ہے کہ زمین بہت زیادہ سستی بک گئی ہے۔"

"جی، کیا کہا، سستی بک گئی ہے؟" کئی آوازیں ابھریں۔

خوف ناک قیمت

"ہاں، کم از کم میرا یہی خیال ہے — خیر، جو ہونا تھا، ہو چکا۔ چلو بھئی چلیں۔ انعام باری صاحب، بیس لاکھ روپے کی حفاظت کر سکیں گے آپ — یا اس رقم کو ہم لے جائیں۔ صبح ہمارے ساتھ چلیے گا۔ آپ کے نام سے جمع کرا دیں گے۔"

"میں شکر گزار ہوں گا۔"

اور وہ واپس روانہ ہوئے۔ انعام باری کو اس کے گھر اتار دیا گیا —

"خان رحمان، مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔"

"اور مجھے بھی تم سے یہ امید نہیں تھی کہ پوری بات نہیں بتاؤ گے۔" وہ بولے۔

"اب مجھے کیا معلوم تھا کہ تم اتنی کم رقم لے کر آؤ گے۔"

"حیرت ہے، تم اسے کم رقم کہہ رہے ہو — قابلِ کاشت زمین کے ایک ٹکڑے کے لیے تو یہ رقم بہت ہی زیادہ ہے — میں سوچ بھی

نہیں سکتا تھا کہ اتنی رقم لگا دی جائے گی — یار جمشید، یہ چکر کیا ہے۔ اس زمین کی اہمیت کیا ہے؟"

"مجھے خود بھی نہیں معلوم — میں تو اس نیلامی کے ذریعے صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ کون کون اس زمین کو خریدنا چاہتا ہے، لیکن افسوس اصل خریداروں میں سے تو کوئی بھی سامنے نہیں آیا۔ انہوں نے پراپرٹی ڈیلروں سے کام چلا لیا — خیر کوئی بات نہیں، زمین جس نے بھی خریدی ہے، اب وہ چھپا نہیں رہ سکتا، ٹھہرو، میں ایک فون کر لوں۔"

جیپ سے اتر کر وہ ایک میڈیکل سٹور میں داخل ہوئے — خان رحمان کی کار ظہور چلاتا پیچھے آ رہا تھا — انہوں نے نمبر ملائے اور بولے:

"ہیلو، پراپرٹی ڈیلر آغا کی باقاعدہ نگرانی کی جائے۔ اس کا دفتر مین مارکیٹ میں ہے — اس کے علاوہ وہ پراپرٹی ڈیلر رستم بخش اور حصار خان ہیں، ان کی بھی نگرانی کی جائے۔ جوں ہی کوئی خاص بات معلوم ہو، مجھے بتائی جائے۔"

"جی بہتر۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور وہ واپس آ کر جیپ میں بیٹھ گئے —

"ابا جان، اصل خریدار تو رجسٹری کے وقت بھی سامنے آ جائے گا۔" محمود بولا۔

"ہاں، ہم اس سے یہ سوال نہیں کر سکتے کہ اس نے اتنی مہنگی

زمین کس لیے خریدی ہے۔"

"اور یہی بات ہم جاننا چاہتے ہیں۔"

"ہوں، عجیب معاملہ ہے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

گھر پہنچے ہی تھے کہ فون کی گھنٹی بجی — انہوں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے اسی ماتحت کی آواز سنائی دی، جسے نگرانی کی ہدایات جاری کی تھیں —

"ہیلو سر — آغا پراپرٹی ڈیلر کو سیٹھ ابرار کی کوٹھی میں داخل ہوتے دیکھا گیا ہے۔"

"بہت خوب، اب سیٹھ ابرار کی بھی نگرانی شروع کرا دو۔ ویسے یہ سیٹھ ابرار کون ہیں؟"

"کاغذ کا ایک تاجر — بیرونی ممالک سے کاغذ کے جہاز منگاتا ہے۔" جواب ملا۔

"بہت خوب، تب تو واقعی سیٹھ ہوگا — ٹھہرو، میں وہیں پہنچ رہا ہوں۔ ہمیں کسی طرح ان کے درمیان ہونے والی گفت گو سننا ہوگی۔"

"یہ — یہ بہت مشکل ہے سر۔" دوسری طرف سے ہکلا کر کہا گیا۔

"کیوں؟"

"سیٹھ ابرار کی کوٹھی کچھ اس قسم کی ہے کہ صدر دروازے کے علاوہ اندر داخل ہونے کا کوئی راستا نہیں۔"

"خیر کوئی بات نہیں — ہم اندر داخل ہونے کی کوئی ترکیب کریں گے۔" یہ کہہ کر انہوں نے ریسیور رکھ دیا اور ان تینوں کی طرف مڑتے ہوئے بولے۔

"یہ ذمے داری تم تینوں کی ہے — کہ کسی نہ کسی طرح کوٹھی کے اندر داخل ہو جاؤ اور ان کی گفت گو سنو۔"

"جی کیا فرمایا، بھلا ہم اندر کس طرح داخل ہو سکتے ہیں۔"

"نگرانی کرنے والے نے بتایا ہے کہ اندر داخل ہونے کا صرف ایک راستا ہے، یعنی صدر دروازہ — تمہیں صدر دروازے سے اندر داخل ہونا ہے اور گفت گو بھی سننا ہے۔" انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

"لل، لیکن کیسے ابا جان، آغا پراپرٹی ڈیلر نیلامی کے موقعے پر ہمیں دیکھ چکا ہے۔ ہمیں دیکھ کر وہ چونک اٹھے گا اور سیٹھ ابرار سے کوئی بات نہیں کرے گا۔" محمود نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ میں کچھ نہیں جانتا — تم تینوں کو ان کی گفت گو سننا ہے اور بس — اب روانہ ہو جاؤ۔"

"کیا فرمایا، روانہ ہو جائیں۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"ہاں، دیر ہونے کی صورت میں ہو سکتا ہے، ان کی ملاقات ختم ہو جائے۔ اس صورت میں تمہیں ناکام لوٹنا پڑے گا۔"

"بہت بہتر ابا جان — ہم جا رہے ہیں۔"

تینوں باہر نکلے اور موٹر سائیکلوں پر بیٹھ کر سیٹھ ابرار کی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئے۔ پتا انہوں نے لے لیا تھا۔

"شاید اس سے عجیب حکم ابا جان نے ہمیں کبھی نہیں دیا ہو" محمود بڑبڑایا

"شاید نہیں، یقیناً۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"فرزانہ، تمہارا کام شروع ہے، ٹھیک ہے نا؟" محمود بولا۔

"یعنی ترکیب سوچنے کا؟" فرزانہ نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

"ہاں۔"

"ٹھیک ہے، میں ذہن کو بہت تیزی سے حرکت دے رہی ہوں امید ہے، وہاں پہنچنے تک کوئی نہ کوئی ترکیب سوچ ہی لوں گی۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو — ورنہ ہم ابا جان کو کیا منہ دکھائیں گے۔"

"وہ مارا۔" فرزانہ پرجوش انداز میں چلائی۔

"کیا مطلب؟ اتنی جلدی ترکیب ذہن میں آ بھی گئی، کمال ہے۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"یہ اللہ کی مہربانی ہے — اس میں میرا ذرا بھی کمال نہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"تو بتاؤ نا، کیا ترکیب سوچی ہے۔"

"بس وہیں چل کر بتاؤں گی، دیکھتے جاؤ۔ ہم نہایت آسانی سے اندر داخل ہو جائیں گے۔"

"تمہارا دماغ ترکیبیں بنانے کی مشین تو نہیں ہے۔" فاروق بے یقینی کے عالم میں بولا۔

"پتا نہیں۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

آخر وہ سیٹھ ابرار کی کوٹھی کے سامنے پہنچ گئے۔ موٹر سائیکلیں انہوں نے کچھ فاصلے پر ہی روک دیں۔

"لو، میں ترکیب پر عمل کرنے لگی ہوں، میرے پیچھے پیچھے آؤ۔"

"گویا کمانڈر خود بننا چاہتی ہو۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اگر ترکیب تم نے سوچی ہوتی تو تم آگے ہو سکتے تھے — اس صورت میں مجھے کوئی اعتراض نہ ہوتا۔" فرزانہ نے جل کٹے لہجے میں کہا۔

فرزانہ نے آگے بڑھ کر دروازے کی گھنٹی بجائی۔ یہ واقعی بالکل بند سی کوٹھی تھی — صدر دروازے کے علاوہ کوئی دروازہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہاں چھوٹے چھوٹے روشن دان ضرور رکھے گئے تھے، لیکن ان میں سے کسی انسان کے اندر داخل ہونے یا نکلنے کا امکان نہیں تھا۔ تنک منک سا آدمی بھی نہیں نکل سکتا تھا۔

گھنٹی کے جواب میں تقریباً ایک منٹ بعد دروازہ کھلا اور ایک بوڑھے ملازم کی صورت دکھائی دی۔

"فرمائیے، کیا بات ہے؟"

"بات بہت معمولی سی ہے بابا! لیکن ہم سخت مشکل میں پھنس گئے ہیں۔" فرزانہ درد بھرے لہجے میں بولی۔

"جی، کیا مطلب؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"مطلب یہ کہ ہمارا کبوتر ہاتھ سے اڑ کر اس کوٹھی کی چھت پر جا بیٹھا ہے۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا۔ وہ ہاتھ پر بیٹھا رہتا ہے۔ مجال ہے جو کبھی اڑا ہو، لیکن آج اُسے نہ جانے کیا ہوا، پھڑپھڑ کرکے اڑا اور آپ کی چھت پر جا بیٹھا۔ ہمیں اس سے بہت محبت ہے۔ اصیل جانور ہے۔ ہمارے علاوہ کسی کے ہاتھ نہیں آ سکتا۔۔ اب اگر آپ مہربانی فرمائیں اور ہمیں اوپر جانے کی اجازت دے دیں تو ہم اپنا کبوتر حاصل کرلیں گے، ورنہ وہ بھوکا پیاسا مر جائے گا اور ادھر ہم اس کے غم میں ہلکان ہو جائیں گے۔" فرزانہ جلدی جلدی کہتی چلی گئی۔

محمود اور فاروق حیرت زدہ تھے۔ کس قدر سادہ ترکیب تھی، لیکن ان کے ذہن میں نہیں آئی۔

"وہ تو ٹھیک ہے، لیکن کیا خبر تم کوئی چور ہو۔"

"وہ دیکھیے، ہماری موٹر سائیکلیں رکھی ہیں۔ ہم ایک شریف گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں اور پھر اگر آپ کو ہم پر اعتبار نہیں تو آپ، ہمارے ساتھ چل سکتے ہیں۔۔ بس ہم کبوتر پکڑیں گے اور نیچے آ جائیں گے۔"

"اچھا، آئیے میرے ساتھ۔ میں آپ کو زینے کا راستہ دکھا دیتا ہوں۔ آپ خود ہی جا کر اپنا کبوتر لے آئیے۔ مجھے تو باورچی خانے میں پہلے ہی بہت کام ہے۔ ابھی ابھی صاحب کے ایک ملاقاتی آئے ہیں، ان کے لیے چائے بھی تیار کرنا ہے۔"

"بہت بہت شکریہ بابا، یوں بھی دن غروب ہونے کو ہے۔۔ اندھیرے میں کوئی بلی نہ کبوتر کو دبوچ لے۔"

وہ اس کے پیچھے اندر داخل ہوئے، پھر بوڑھے ملازم نے انہیں دور سے ہی زینہ دکھاتے ہوئے کہا:

"وہ رہا زینہ، دبے پاؤں چڑھ جائیے۔"

"آپ کا یہ احسان یاد رہے گا بابا!" محمود بولا اور تینوں تیزی سے زینے کی طرف لپکے۔ ساتھ ہی ترچھی نظروں سے بڑے میاں کو باورچی خانے کی طرف جاتے دیکھتے رہے۔ جوں ہی وہ نظروں سے اوجھل ہوا، تینوں زینے کی بجائے اندرونی حصے کی طرف بڑھے۔۔ یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ ڈرائنگ روم کس طرف ہوگا۔۔ چند قدم چلنے کے بعد ہی انہیں رکنا پڑا، ڈرائنگ روم کا دروازہ انہیں کھلا نظر آیا تھا۔ دائیں بائیں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی۔ جہاں سے وہ ڈرائنگ روم میں ہونے والی گفتگو سن سکتے۔۔ ایک خیال یہ بھی رہ رہ کر آ رہا تھا کہ ملاقات ہوئے کافی دیر ہوگئی ہے۔ اب تک تو وہ نہ جانے کتنی باتیں کر چکے ہوں گے۔ آخر وہ واپس مڑے۔۔ اندرونی

دروازے سے نکل کر دیوار کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ڈرائنگ روم کی
بیرونی طرف پہنچے۔ اس طرف دو کھڑکیاں کھلی تھیں۔ وہ ان کھڑکیوں سے
جا لگے اور کان اندر ہونے والی بات چیت پر لگا دیے۔ انہوں نے
سُنا، آغا پراپرٹی ڈیلر کہہ رہا تھا:

"بہرحال آپ کو مبارک ہو۔۔ دوسروں کے مقابلے میں آپ
کامیاب رہے۔"

"میں اسے کامیابی نہیں سمجھتا۔۔ اگر زمین انعام باری خاموشی
سے میرے ہاتھ فروخت کر دیتا تو اس صورت میں ضرور یہ کامیابی ہوتی
اب باقاعدہ نیلامی ہوئی ہے۔ کل یہ خبر اخبارات میں شائع ہو گی۔۔
بات مشہور ہو جائے گی۔ نہ جانے کتنے لوگ ایک ہی وقت میں یہ
سوچنا شروع کر دیں گے۔۔ آخر سیٹھ ابرار کو کیا نظر آیا تھا اس زمین
میں، جو اس نے اتنی مہنگی خریدی۔"

"لیکن جناب، آپ کے بارے میں تو کسی کو بھی نہیں معلوم۔"
آغا بولا۔

"آغا صاحب، آپ نہیں جانتے۔ معاملہ انسپکٹر جمشید تک پہنچ
چکا ہے۔ انعام باری نے زمین کا مختار انہیں بنا دیا تھا۔ اب انسپکٹر
جمشید یہ معلوم کیے بغیر نہیں رہیں گے کہ زمین دراصل کس نے
خریدی ہے۔"

"لیکن آپ نے کوئی غیر قانونی کام نہیں کیا۔ زمین مہنگی ضرور

خریدی ہے۔" آغا کی آواز سنائی دی۔

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔۔ اس کے باوجود میں الجھن محسوس کر رہا
ہوں۔"

"تب پھر آپ کو اس نیلامی میں حصہ لینا ہی نہیں چاہیے تھا۔
یہ بات تو آپ کو پہلے ہی معلوم ہو چکی تھی کہ زمین کا مختار انسپکٹر جمشید
کو بنا دیا گیا ہے۔"

"آپ نہیں جانتے۔ میں ایسا بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے یہ زمین
بہرحال خریدنا ہی تھی۔"

"اور آپ نے خرید لی، اب پریشان کیوں ہو؟"

"بہرحال میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ آپ کا کمیشن آپ کو صبح
مل جائے گا۔"

"کوئی بات نہیں جناب۔ میں کمیشن کے لیے تو آیا ہی نہیں۔۔
میں تو بس مبارک باد دینے چلا آیا تھا۔" ادھر محمود نے انہیں اشارہ
کیا۔۔

"آؤ بھئی چلیں۔"

وہ وہاں سے ہٹ کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے
کہ ٹھٹک کر رہ گئے۔۔ تیرہ چودہ سالہ ایک لڑکی انہیں خوف زدہ
نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"آپ — کیا آپ چور ہیں؟" اس نے ڈرے ڈرے انداز میں پوچھا۔

"نہیں، ہم چور نہیں ہیں۔"

"تو پھر یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

"کک، کبوتر۔" فاروق ہکلایا۔

"کبوتر، کیا مطلب؟" لڑکی کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"حیرت ہے، آپ کو کبوتر کا مطلب نہیں معلوم۔" فاروق اور بھی حیران ہو کر بولا۔

"وہ تو میں جانتی ہوں، کبوتر ایک پرندے کو کہتے ہیں۔ لوگ اسے پالتے ہیں اور اڑاتے ہیں، لیکن یہ شوق اچھا نہیں۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کبوتر کے پیچھے دوڑتے دیکھ کر فرمایا تھا، ایک شیطان دوسرے شیطان کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ یعنی یہ شیطانی مشغلہ ہے، تو آپ کبوتر پالنے کے شوقین ہیں اور آپ کا کوئی کبوتر اڑ کر ہماری کوٹھی میں آگیا ہے۔ خیر، تب تو آپ اسے شوق سے تلاش کر سکتے ہیں۔"

"بس بس، اب کیا تلاش کریں گے۔" فاروق نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"کیوں، کیا ہوا؟" لڑکی نے حیران ہو کر کہا۔

"زندگی میں پہلی مرتبہ ضرورتاً کبوتر بازی کی تھی، لیکن یہ حدیث شریف سننے کے بعد تو خواب و خیال میں بھی کبوتر بازی کی گنجائش نہیں رہی۔" اس نے کہا۔

"بہت خوب، یہ ہوئی نا بات۔ کاش، سب کبوتر باز آپ کی طرح سوچنے لگیں۔"

"کیا بات ہے نورین، تم کس سے باتیں کر رہی ہو؟"

انہوں نے سیٹھ ابرار کی آواز سنی اور گڑبڑا اٹھے۔ نورین دوسری طرف مڑی اور بولی:

"کچھ نہیں ابا جان، ان لوگوں کا کوئی کبوتر اڑ کر ہماری کوٹھی میں آگیا ہے۔ یہ اسے تلاش کر رہے ہیں۔"

"کبوتر؟" سیٹھ ابرار کے منہ سے نکلا۔

"اوہ، ارے۔" انہوں نے آغا پراپرٹی ڈیلر کی آواز سنی۔

وہ اور سیٹھ ابرار اب ان کے سامنے کھڑے تھے۔ آغا کی نظریں اب انہیں گھور رہی تھیں، پھر وہ سیٹھ ابرار کے کان پر جھکا اور کچھ کہا۔ سیٹھ ابرار کے چہرے پر حیرت کے بادل تیر گئے۔

"یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ یہ تینوں انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں؟"

"جی ہاں۔" آغا نے فوراً کہا۔

"کیا کہا، انسپکٹر جمشید کے بچے۔ یعنی محمود، فاروق اور فرزانہ۔"

نورین چیخ اٹھی۔

"لیکن اس میں چیخنے کی کیا ضرورت ہے، ہم کوئی جن بھوت تو نہیں ہیں۔"

"اف خدا، کیا آپ لوگ واقعی محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں؟"

"یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے، تھوڑی دیر پہلے ضرور تھے۔" فاروق نے مسمسی صورت بنائی۔

"جی، کیا مطلب؟ اور آپ لوگ کبوتر بازی بھی کرتے ہیں؟"

اسی وقت ملازم بھی وہاں پہنچ گیا — اس نے حیران ہو کر کہا:

"اوہو، یہ لوگ اب تک اندر موجود ہیں۔" اس کے لہجے میں ناگواری تھی۔

"بھئی، یہ معاملہ کیا ہے؟" سیٹھ ابرار الجھ کر بولے۔

ملازم نے جلدی جلدی بات بتا دی۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا کہ بات یہی ہو گی۔" سیٹھ ابرار بولے۔

"اچھا سیٹھ صاحب، میں تو چلتا ہوں۔" آغا نے جلدی سے کہا۔

"ٹھیک ہے، آپ چلیں۔"

اور بڑا پیٹو ٹیڑھا لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا۔

"آئیے بھئی، اندر بیٹھ کر اطمینان سے باتیں ہوں گی۔"

"جی ہاں ضرور، کیوں نہیں۔" محمود خوش ہو کر بولا، حالاں کہ اندر ہی اندر وہ پیچ و تاب کھا رہا تھا کہ یہ کیا ہوا۔ اگر یہ لڑکی عین

اس وقت باہر نہ نکل آتی تو وہ کوٹھی سے نکل بھی گئے تھے۔ اب وہ بلا وجہ ہی الجھ گئے تھے۔ انہیں ڈرائنگ روم میں آنا پڑا۔ نورین ابھی تک حیرت زدہ تھی —

"ہاں بھئی، اب بتائیے، آپ لوگ کس سلسلے میں آئے تھے۔ کبوتر کا تو صرف بہانا ہے۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟" سیٹھ ابرار نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں، کبوتر کا واقعی بہانا تھا۔"

"کیا مطلب؟" نورین دھک سے رہ گئی۔

"جی ہاں، ہم دراصل یہ جاننا چاہتے تھے کہ آپ نے اتنی مہنگی زمین کیوں خریدی — آخر آپ اس زمین کا کیا کریں گے؟"

"بس یونہی، بیس لاکھ روپے میرے لیے کوئی بڑی رقم نہیں۔" وہ بولے۔

"پھر بھی بیس ہزار روپے کی زمین بیس لاکھ میں خریدنا کچھ عجیب سی بات ہے۔"

"اتنی عجیب بھی نہیں — میں اپنی دولت کسی طرح بھی خرچ کر سکتا ہوں، کوئی اعتراض نہیں کر سکتا، مجھ سے جواب طلب نہیں کر سکتا۔"

"ہاں، یہ تو ٹھیک ہے۔"

"آپ کو اس طرح میرے گھر میں داخل نہیں ہونا چاہیے تھا — آپ باقاعدہ مجھ سے ملاقات کر سکتے تھے اور ملاقات کے دوران یہ

سوال اٹھا سکتے تھے کہ میں نے اتنی مہنگی زمین کیوں خریدی۔"

"خیر جناب، ہم سے غلطی ہوئی۔ معاف کر دیں۔"

"کوئی بات نہیں، میں جانتا ہوں، آپ لوگ بری نیت سے داخل نہیں ہوئے تھے اور پھر میرے ملازم کی اجازت سے آئے تھے۔ لہذا مجھے کوئی شکایت نہیں۔"

"بہت بہت شکریہ جناب، ہم چلتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ چلیے، آپ کو دروازے تک چھوڑ آئیں۔ آؤ بیٹی نورین۔ تم تو ان کے کارنامے بہت شوق سے پڑھتی ہو۔ آج یہ سامنے آئے تو تم نے ان سے کوئی بات ہی نہیں کی۔"

"میں خود حیران ہوں ڈیڈی، نہ جانے میری زبان کو کیا ہو گیا۔ بس گنگ ہو کر رہ گئی ہے۔ بے شمار باتیں ان سے کرنا چاہتی ہوں، لیکن ایک بات بھی نہیں کر سکی۔"

"ہم پھر کسی دن آ جائیں گے۔ آپ وہ باتیں لکھ کر رکھ لیجیے گا، جو کرنا چاہتی ہیں۔" فاروق نے کہا اور وہ مسکرا دیے۔ سیٹھ ابرار سے ہاتھ ملا رہے تھے کہ ایک لمبی سی کار آ کر رکی۔ اس میں سے ایک لمبے قد کا آدمی نیچے اترا۔ ان کی طرف دیکھے بغیر اس نے کہا۔

"سیٹھ ابرار، میں وہ زمین آپ سے خریدنا چاہتا ہوں، جو آج ہی آپ نے بیس لاکھ روپے میں خریدی ہے۔ آپ معقول منافع لے

کر اسے میرے ہاتھ بیچ دیں۔"

"اوہو، سیٹھ جلال راجہ۔ آئیے آئیے، تشریف لائیے۔ اچھا بھئی، خدا حافظ۔"

یہ کہہ کر سیٹھ ابرار، سیٹھ جلال راجہ کا ہاتھ پکڑ کر اندر کی طرف بڑھ گئے۔ وہ کھڑے دیکھتے ہی رہ گئے۔ پھر انہیں احساس ہوا، نورین اب تک ان کے پاس کھڑی تھی۔

"کیا سیٹھ جلال راجہ اکثر آپ کے ہاں آتے رہتے ہیں؟"

"ہاں، یہ ڈیڈی کے دوست ہیں، لیکن میں حیران ہوں کہ یہ زمین کا کیا چکر ہے۔" نورین بولی۔

"اس چکر نے تو ہمیں بھی چکرا دیا ہے۔" فاروق بولا۔

"اور اس سلسلے میں ہمیں آپ کی مدد درکار ہے۔" محمود نے پراسرار لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" نورین چونک اٹھی۔

"اندر جائیے اور یہ سننے کی کوشش کیجیے کہ دونوں دوستوں کے درمیان کیا معاملہ طے ہوتا ہے اور پھر فون پر ہمیں بتا دیجیے۔"

"اوہ، جاسوسی۔" نورین پرجوش لہجے میں بولی۔ آواز میں کپکپی شامل تھی۔

"ہاں۔ آپ ہمارے لیے تھوڑی سی جاسوسی کریں۔"

"ٹھیک۔ ٹھیک ہے، میں ضرور فون کروں گی۔ آپ فکر نہ

کریں۔" اس نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ۔ اب ہم چلتے ہیں۔"

جونہی وہ گھر پہنچے۔ فون کی گھنٹی بجی۔ انسپکٹر جمشید نے ریسیور اٹھایا اور پھر محمود کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"تمہارا فون ہے۔"

محمود نے ریسیور لیا اور بولا:

"ہیلو، محمود بول رہا ہوں۔"

"اور میں نورین ہوں۔ انکل سیٹھ جلال راج نے ڈیڈی کو ایک کروڑ روپے کی پیش کش کی ہے، لیکن ڈیڈی نے ایک کروڑ میں بھی زمین فروخت کرنے سے انکار کر دیا ہے۔"

"کیا؟" محمود چیخ اٹھا۔

باقاعدہ معائنہ

"خیر تو ہے بھئی، اتنے زور سے کیوں چیخا جا رہا ہے؟"

"سیٹھ ابرار کے دوست جلال راج نے زمین ایک کروڑ روپے میں خریدنے کی پیش کش کی ہے، لیکن سیٹھ ابرار تیار نہیں ہوئے۔"

"اوہ۔" انسپکٹر جمشید بولے، پھر انہوں نے فکرمند ہو کر کہا:

"اگر یہ خبر انعام باری نے سن لی تو شاید اس کا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔"

"آخر اس زمین میں ہے کیا، ابا جان؟"

"خدا ہی بہتر جانتا ہے۔" وہ بڑبڑائے۔

"ادھر ہمیں ہوش فاروقی والا معاملہ پریشان کیے دے رہا ہے۔" محمود بولا۔

"ہوش فاروقی، وہ مشہور شاعر، اس کا کیا معاملہ ہے؟" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

محمود نے اس واقعے کی تفصیل سنا دی۔ انسپکٹر جمشید گہری سوچ

میں گم ہو گئے، پھر بولے:

"اور وہ دُوربین والا چور محکمہ قدرتی وسائل کے دفتر میں تاک جھانک کر رہا تھا؟"

"جی ہاں۔"

"بات یہ بھی عجیب ہے۔ خیر، چور کو گرفتار کیا ہی جا چکا ہے، آؤ، ہم اس سے مل آئیں۔"

وہ حیران رہ گئے۔ انہیں یہ امید نہیں تھی کہ ان کے والد اس واقعے کو اس قدر اہمیت دیں گے۔

"چلیے" تینوں بولے اور وہ جیپ میں بیٹھ کر متعلقہ تھانے پہنچے۔ حوالدار کی نظر ان پر پڑی تو وہ دوڑتا ہوا آیا۔ پھر انسپکٹر جمشید کو ساتھ دیکھ کر بوکھلا گیا اور اندر کی طرف لپکا۔ دوسرے ہی لمحے ایک سب انسپکٹر کے ساتھ وہاں آ موجود ہوا۔

"فرمایے جناب، کیسے تکلیف کی؟" سب انسپکٹر نے کہا۔

"ہم اس چور سے ملنا چاہتے ہیں، جسے آپ کے حوالدار نے آج ہی ہوش فاروقی صاحب کے مکان سے گرفتار کیا ہے۔"

"آپ تشریف رکھیے، میں اسے یہیں بلوا لیتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے حوالدار کو اشارا کیا۔

دو منٹ بعد چور ان کے سامنے موجود تھا۔

"ہاں بھئی، تم ہوش فاروقی صاحب کی چھت پر دُوربین لیے کیا کر

رہے تھے؟"

"میں ان کے گھر میں چوری کرنے کی نیت سے داخل ہوا تھا۔ ساتھ ہی میں نے سوچا، آس پاس کے مکانات کا جائزہ بھی لے لوں، تاکہ اس کے بعد ان پر بھی ہاتھ صاف کر سکوں، لیکن میری قسمت خراب تھی، پکڑا گیا۔" اس کے لہجے میں حسرت تھی۔

"تم یہ چوری چکاری کا کام کب سے کر رہے ہو؟"

"جی کئی سال سے۔" اس نے کہا۔

"پہلے بھی کبھی پکڑے گئے؟"

"نہیں، یہ پہلا اتفاق ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" یہ کہہ کر وہ سب انسپکٹر کی طرف مڑے:

"اس کی انگلیوں کے نشانات اور چند تصاویر مجھے فوراً تیار کرا دیں اور میں وہ دوربین بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"جی بہتر۔" یہ کہہ کر اس نے پھر حوالدار کو اشارا کیا۔ اس نے ایک الماری کھولی اور دُوربین نکال کر انہیں دے دی۔ انہوں نے دُوربین کو آنکھوں سے لگا کر دیکھا۔ اس میں انہیں کوئی خاص بات نظر نہ آئی۔ پھر بھی انہوں نے اس کا تسمہ ہاتھ پر لپیٹ لیا اور بولے:

"یہ فی الحال میرے پاس رہے گی، ایک دو روز تک لوٹا دوں گا۔ لائیے اس کی رسید لکھ دوں۔"

"جی بہتر۔" انہوں نے رسید لکھ دی اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

باہر نکل کر جیپ میں بیٹھے اور وہاں سے روانہ ہوئے۔

"آپ دُور بین کا کیا کریں گے؟"

"نہ جانے کیا بات ہے۔ مجھے یہ واقعہ بہت عجیب سا لگ رہا ہے؛ حالانکہ بظاہر اس میں کوئی عجیب پن نہیں ہے۔"

جلد ہی انہوں نے محسوس کیا، ان کا رُخ پروفیسر داؤد کی کوٹھی کی طرف تھا۔

"کیا پروفیسر انکل سے ملاقات کا ارادہ ہے، ابا جان؟"

"ہاں، یہ دُور بین چیک کراؤں گا۔" انہوں نے کہا۔

اور وہ حیران رہ گئے۔ بھلا اس عام سی دُور بین کو چیک کرانے کی کیا ضرورت تھی۔ بعض اوقات انسپکٹر جمشید کی باتیں انہیں حیرت زدہ کر دیا کرتی تھیں۔

پروفیسر داؤد اور شائستہ انہیں دیکھ کر کھل اٹھے۔

"بھئی جمشید، ابھی ابھی شائستہ کہہ رہی تھی، کیوں نہ آج انکل جمشید کے ہاں چلا جائے۔"

"اس سے بہتر بات کیا ہو سکتی ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"لیکن ہم کس طرح جا سکتے ہیں، اب تو تم لوگ یہاں آ گئے ہو۔" پروفیسر صاحب نے بچوں کی طرح منہ بنا کر کہا۔

"تو کیا ہوا، ہم ابھی واپس چل پڑتے ہیں۔ آپ دونوں بھی ہمارے ساتھ چلیے۔ لیکن پہلے ذرا دُور بین دیکھ لیں۔ میں جاننا چاہتا

ہوں، کیا یہ کوئی عام سی دور بین ہے۔"

"اوہ۔ لاؤ، دیکھتا ہوں۔" پروفیسر داؤد بولے۔ انہوں نے دُور بین ان کے ہاتھ سے لے لی۔ پہلے اُسے الٹ پلٹ کر دیکھا، پھر آنکھوں سے لگا کر دیکھا۔ اس کی دو چار کلیں گھمائیں اور پھر قدرے حیران ہو کر بولے:

"اوہو۔ بھئی جمشید، اس کا تو باقاعدہ معائنہ کرنا ہو گا۔"

"باقاعدہ معائنہ؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں، کیوں کہ یہ کوئی عام دور بین ہرگز نہیں ہے۔"

"اوہ، تو پھر جلدی کیجیے۔" یہ کہتے ہی وہ فون پر جھک گئے اور متعلقہ تھانے کے نمبر ملانے کے بعد بولے:

"ہیلو، انسپکٹر صاحب، میں جمشید بول رہا ہوں۔ چور کی انگلیوں کے نشانات اور تصویریں تیار کرا لیں آپ نے؟"

"جی ہاں، بالکل۔"

"اچھا تو میرے الفاظ نوٹ کر لیں، اس چور کی ضمانت نہ ہونے دیجیے گا۔ اس کی نگرانی بہت کڑی ہونی چاہیے۔ مجھے ڈر ہے، کہیں چور فرار ہونے میں کامیاب نہ ہو جائے۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے جناب عالی؟"

"ہو سکتا ہے، بالکل ہو سکتا ہے۔ وہ کوئی عام چور نہیں ہے۔ ویسے اس نے اپنا نام کیا لکھوایا ہے؟"

سلسلہ مل گیا اور اس نے کہا:

"ہیلو، کون صاحب؟"

"فضل خان بول رہا ہوں، سیٹھ صاحب کا ملازم۔"

"مہربانی فرما کر نورین صاحبہ کو بلا دیں۔"

"اچھی بات ہے۔" ملازم کی آواز سنائی دی اور پھر جلد ہی نورین کی آواز کانوں سے ٹکرائی:

"میں نورین ہوں اور آپ کون صاحب ہیں؟"

"محمود — فرمائیے، سیٹھ جلال راج جا چکے ہیں یا ابھی موجود ہیں؟"

"وہ تو ڈیڈی کا انکار سنتے ہی چلے گئے تھے۔" اس نے جواب دیا۔

"ہوں، ان کے بعد تو کوئی نہیں آیا؟"

"اب ایک اور صاحب آئے بیٹھے ہیں، لیکن یہ ڈیڈی کے دوست نہیں ہیں، البتہ آئے ہیں یہ بھی زمین کے سلسلے میں ہی۔"

"بہت خوب، ان کا نام؟" اس نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتی، نہ ڈیڈی جانتے ہیں، نہ انہوں نے اپنا نام بتایا ہے۔"

"اور وہ کس لیے آئے ہیں؟" اس نے جلدی سے پوچھا۔

"زمین خریدنے کے لیے — ڈیڈی نے انہیں بتا دیا ہے کہ ان

سے پہلے ایک دوست اس زمین کے ایک کروڑ روپے لگا چکے ہیں، لیکن انہوں نے فروخت نہیں کی — یہ سن کر انہوں نے یک دم کہہ دیا، میں دو کروڑ روپے دینے کے لیے تیار ہوں۔"

"اوہ —" محمود کے منہ سے نکلا — اس نے جلدی سے ریسیور رکھ دیا، اور بولا:

"لیجیے ابا جان، نئی خبر سنیے — زمین کے دو کروڑ روپے لگ گئے ہیں۔"

"اف اللہ۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"اور کیا، سیٹھ ابرار نے زمین دو کروڑ میں دینے کا فیصلہ کر لیا ہے؟"

"یہ بات میں نہیں پوچھ سکا۔" اس نے کہا۔

"بھئی کبھی تو مکمل بات پوچھ لیا کرو۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"میں یہ سن کر دنگ رہ گیا تھا کہ قیمت دو کروڑ تک پہنچ چکی ہے۔"

"اور ابھی رات دور پڑی ہے۔"

"جی کیا مطلب؟ زمین کی قیمت کا رات سے کیا تعلق؟"

"صبح تک قیمت نہ جانے کہاں تک جا پہنچے گی۔" وہ بولے۔

"کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ زمین کے کچھ اور گاہک بھی پہنچنے والے ہیں؟"

"ہاں، میں یہ سوچنے پر مجبور ہوں۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے، آخر اس کی قیمت کہاں جا کر رکے گی۔" فرزانہ بولی۔

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" وہ بولے: "محمود پھر فون کرو اور نورین سے پوچھو، وہ نامعلوم گاہک جا چکا ہے یا نہیں۔"

"جی بہتر۔" محمود نے کہا اور فون کیا، پھر ریسیور رکھ کر بولا:

"جی ہاں، وہ جا چکا ہے — سیٹھ ابرار نے دو کروڑ میں بھی زمین فروخت کرنے سے انکار کر دیا ہے اور اب ایک اور گاہک وہاں موجود ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال تھا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"حیرت ہے، آپ اس کیس میں پہلی بار مسکرائے ہیں۔ کیا آپ کسی نتیجے پر پہنچ چکے ہیں۔"

"شاید — ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی — انسپکٹر جمشید نے ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا:

"انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔"

"میں اپنا ایک ماتحت آپ کی خدمت میں روانہ کر چکا ہوں۔ لیکن ادھر ضمانت کے لیے ایک صاحب آ چکے ہیں — وہ گورنر صاحب کا سفارشی خط لائے ہیں۔"

"انہیں روکے رکھیں، میں آ رہا ہوں — وہ آدمی حوالات سے نکلنے نہ پائے۔"

"میں سخت الجھن محسوس کر رہا ہوں — گورنر صاحب کا حکم مانوں یا آپ کا۔" سب انسپکٹر پریشان آواز میں بولا۔

"صبر کریں، میں آ رہا ہوں۔" یہ کہہ کر انہوں نے گورنر صاحب کے نمبر ملائے — سلسلہ ملنے میں چند منٹ لگ گئے۔ آخر گورنر صاحب کی آواز سنائی دی —

"سر، یہ میں ہوں، آپ کا خادم انسپکٹر جمشید، غالی نامی ایک شخص کے بارے میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں، جو اس وقت حوالات میں بند ہے، اور اس کی ضمانت کے لیے آپ کی سفارش حاصل کی گئی ہے۔"

"ہاں بھئی جمشید، وہ بے چارہ بے گناہ ہی پکڑا گیا ہے۔ پاگل سا آدمی ہے، یوں ہی دوربین لٹکائے ادھر ادھر پھرتا رہتا ہے، اس لیے میں نے رقعہ لکھ دیا کہ اسے چھوڑ دیا جائے۔" گورنر صاحب نے کہا۔

"بالکل ٹھیک جناب — میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں۔ اس کی سفارش کس نے کی ہے؟"

"ایک سیاسی لیڈر سر تابش نے، اس سے میرے تعلقات دوستانہ ہیں۔"

"بہت خوب جناب عالی، لیکن میں معافی چاہتا ہوں — یہ معاملہ غیر ملکی سازش سے تعلق رکھتا ہے، معمولی چوری چکاری کا معاملہ نہیں ہے — چور کے پاس سے جو دُوربین ملی ہے، وہ بھی کوئی عام دوربین نہیں ہے۔ پروفیسر داؤد اس کا جائزہ بس مکمل کرنے ہی والے ہیں — لیجیے، وہ آ گئے۔ مہربانی فرما کر ایک منٹ کے انتظار کی زحمت گوارا کریں — میں ابھی آپ کو اس دُوربین کی حقیقت سے آگاہ کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر انہوں نے اپنا رخ پروفیسر صاحب کی طرف کر لیا۔ اس طرح ریسیور ان کے منہ کے قریب بھی ہو گیا۔

"ہاں پروفیسر صاحب، دُوربین کا کیا رہا؟"

"انتہائی حیرت انگیز آلہ — ہمارے دشمن کی بالکل نئی اور خفیہ ایجاد، جس کے بارے میں اخبارات میں بھی پڑھنے میں نہیں آیا — ڈیڑھ دو سو میٹر کے فاصلے کی چیزیں اس کے ذریعے سے اچھی طرح دیکھی جا سکتی ہیں، جیسے ایک فٹ کے فاصلے سے۔ یہاں تک کہ تحریر بھی صاف طور پر پڑھی جا سکتی ہے اور مزے کی بات یہ کہ اس میں ایک ننھا سا کیمرہ بھی فٹ ہے — ساتھ ساتھ مائیکرو فلم تیار کرتا ہے: گویا جو چیز ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں، اس کی فلم بھی بن جاتی ہے۔"

"اُف خدا، میں یہ کیا سُن رہا ہوں — میں ابھی سفارش کینسل کرتا ہوں، لیکن میں حیران ہوں کہ سرتابش کو اس شخص کی سفارش کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" دوسری طرف سے گورنر صاحب کی حیرت میں ڈوبی آواز سُنائی دی۔

"سرتابش نے اگر سفارش کسی دوست کے کہنے پر کرائی ہے تو وہ دوست دشمن ملک کا جاسوس ہے یا پھر خود سرتابش۔ آپ یہ سوال ان سے ضرور پوچھیں کہ کس کے کہنے پر انہوں نے سفارش کرائی ہے اور ان کا جواب مجھے ضرور بتا دیجیے گا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"بہت اچھا، تم فکر نہ کرو۔" انہوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

اسی وقت دروازے کی گھنٹی بج اٹھی — معلوم ہوا، سب انسپکٹر کا بھیجا ہوا آدمی آ گیا تھا۔ انہوں نے اسے رقعہ لکھ کر دے دیا — اس میں لکھ دیا کہ گورنر صاحب نے اپنی سفارش واپس لے لی ہے۔ ماتحت کے جانے کے بعد انہوں نے دُوربین لے کر خود تجربہ کیا۔ تجربہ گاہ کی چھت پر پہنچ گئے اور آس پاس کی عمارات کو دُوربین کی مدد سے دیکھا۔ پروفیسر صاحب کا تجربہ بالکل درست تھا۔

"اب اس میں کوئی شک نہیں کہ غالی ایک غیر ملکی جاسوس ہے ورنہ اس کے پاس یہ دوربین نہیں ہو سکتی تھی، لہذا اب اسے پولیس

سٹیشن کی حوالات کے بجائے ہمارے محکمہ کی حوالات میں منتقل کر دینا چاہیے۔
اس کے بعد ہم اس سے سوالات بھی کریں گے۔" یہ کہہ کر انہوں
نے فون کے ذریعے اکرام کو ہدایات دیں۔ تھوڑی دیر بعد اکرام کا
فون موصول ہوا:

"ہیلو سر، مہربانی فرما کر آپ فوراً پولیس سٹیشن تشریف لے آئیے۔
یہاں ایک حادثہ ہو گیا ہے۔" ان الفاظ کے ساتھ ہی اکرام نے
ریسیور رکھ دیا۔

"لو بھئی، اکرام بھی سسپنس پیدا کرنے لگا۔" انہوں نے منہ بنایا۔

"جی، کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ اس نے اطلاع دی ہے کہ پولیس سٹیشن میں کوئی حادثہ
ہو گیا ہے۔ شاید غالی منتقلی کے دوران فرار ہونے میں کامیاب ہو
گیا ہے۔"

"اوہ، یہ تو بہت برا ہوا۔"

"ہاں، بہت برے سے بھی کچھ زیادہ۔" وہ بولے۔

جلد ہی وہ جیپ میں اڑے جا رہے تھے۔ اندر داخل ہوتے
ہی ان کی نظر اکرام پر پڑی۔

"کیا ہوا اکرام، کیا غالی فرار ہو گیا؟"

"جی نہیں، وہ حوالات میں موجود ہے۔ وہ دیکھیے، سلاخوں
کے ساتھ ہی تو بیٹھا ہے۔"

انہوں نے دیکھا، غالی سلاخوں سے سر لگائے بیٹھا تھا۔ اس کے
دونوں ہاتھ سلاخوں کو پکڑے ہوئے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے بیٹھے بیٹھے
گہری نیند سو گیا ہو، لیکن پہلی نظر میں ہی انہوں نے جان لیا، غالی
مر چکا ہے۔

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

خاص خیال

"جس وقت اس کی سفارش لے کر وہ صاحب آئے، کیا یہ زندہ تھا؟"

"جی ہاں، میں نے ان صاحب کو بتایا کہ آپ تشریف لانے والے ہیں۔ مسٹر غالی کو آپ کی موجودگی میں رہا کیا جا سکتا ہے ۔ یہ سن کر اس نے منہ بنایا اور پھر حوالات کی سلاخوں سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ غالی اٹھ کر اس کے پاس چلا آیا۔ دونوں باتیں کرنے لگے۔ پھر آپ کا فون آیا کہ گورنر نے سفارش کینسل کر دی ہے ۔ میں نے یہ خبر اسے سنائی۔ وہ غالی سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گیا، پھر آپ کے ماتحت آ گئے، لیکن غالی اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ تب ہمیں معلوم ہوا، یہ مر چکا ہے۔ سفارشی رقعہ لانے والا لمبے قد کا آدمی تھا اور چہرے پر بڑی بڑی مونچھیں تھیں۔" سب انسپکٹر نے جلدی جلدی کہا۔

"ہوں، اس کا مطلب ہے، جو شخص سفارشی رقعہ لے کر آیا تھا، اسی نے غالی کو ہلاک کیا ہے ۔ وہ ضرور اپنے ساتھ کوئی زہریلی سوئی

لایا ہوگا۔ پوسٹ مارٹم سے یہ بات ثابت ہو جائے گی۔ افسوس، یہ بہت برا ہوا۔ اس سے بہت قیمتی باتیں اگلوائی جا سکتی تھیں، لیکن خیر۔ اب ہمیں اس شخص کو تلاش کرنا ہے جو رقعہ لے کر آیا تھا اور ہاں، گورنر صاحب کو بھی اس واقعے کی اطلاع دینی چاہیے، تاکہ سر تابش سے معلوم کیا جا سکے کہ اس نے غالی کی سفارش کیوں کی تھی۔"

یہ کہتے ہوئے وہ فون پر جھک گئے۔ جلد ہی گورنر صاحب کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو سر، اطلاعاً عرض ہے کہ غالی کو حوالات کی سلاخوں کے پیچھے قتل کر دیا گیا ہے اور ایسا اس شخص نے کیا جو سفارشی رقعہ لے کر آیا تھا۔ مہربانی فرما کر سر تابش سے معلوم کیا جائے کہ اس نے غالی کی سفارش کیوں کی تھی؟"

"اوہو، یہ میں کیا سن رہا ہوں۔ خیر آپ چند منٹ انتظار کریں۔ میں ابھی ان سے فون پر بات کرتا ہوں۔"

"جی بہتر۔" انہوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ دس منٹ بعد فون کی گھنٹی بجی اور گورنر صاحب کی آواز سنائی دی:

"ہیلو، بھئی جمشید، یہ معاملہ تو عجیب صورت اختیار کر گیا ہے۔"

"جی کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"مطلب یہ کہ سر تابش کہتے ہیں کہ انہوں نے تو کسی کی سفارش نہیں کی۔"

"جی کیا مطلب؟" وہ حیران رہ گئے۔

"بھئی، بات دراصل یہ ہے کہ مجھے سرتابش صاحب کا فون موصول ہوا تھا۔ فون پر ہی مجھے اس شخص کے بارے میں بتایا گیا: گویا کسی شخص نے سرتابش کی آواز کی نقل کی تھی اور اس نے یہ گارنٹی دی تھی کہ اس آدمی کو بالکل بے گناہ گرفتار کیا گیا ہے۔ پولیس کے خلاف آئے دن اسی قسم کی شکایتیں ملتی رہتی ہیں، لہذا میں نے سرتابش کی آواز سن کر فوراً یقین کر لیا اور کہہ دیا کہ اپنا کوئی آدمی بھیج دیں۔ میں رقعہ لکھے دیتا ہوں، لیکن اب معلوم ہوا، سرتابش نے تو مجھے فون کیا ہی نہیں تھا۔"

"حیرت انگیز بات سننے میں آئی ہے۔ خیر جناب، اب ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔"

"مجھے بہت افسوس ہے۔ آئندہ میں صرف آواز سن کر سفارش نہیں کیا کروں گا۔" انہوں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ وہ بھی ریسیور رکھ کر ان کی طرف مڑے:

"مطلب یہ ہوا کہ غالی کوئی چور نہیں تھا۔ وہ سوچ سمجھ کر ہوشن فاروقی کی چھت پر چڑھا تھا۔ اسے دراصل محکمہ قدرتی وسائل کی مائیکروفلم تیار کر کے اپنے ملک بھیجنا تھی۔ اسے معلوم تھا کہ ہوشن فاروقی اور ان کے بیوی بچے گھر میں نہیں ہیں، لہذا اسے کوئی خطرہ نہیں تھا، لیکن تم لوگوں کی وجہ سے وہ پکڑا گیا۔"

"جی، ہم لوگوں کی وجہ سے نہیں، اپنی چھینک کی وجہ سے۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"چلو یوں ہی سہی۔ جب وہ پکڑا گیا اور اس کے ساتھی نے دیکھا کہ اس کا کیمرہ میں لے جا رہا ہوں، تو اس نے فوراً اس کی رہائی کی ترکیب کی۔ یعنی سرتابش کی آواز میں گورنر صاحب کو فون کیا اور پھر خود ہی رقعہ لینے پہنچ گیا، لیکن ادھر میں نے پابندی عاید کر رکھی تھی کہ غالی کو نہیں چھوڑا جائے گا۔ اس نے جب دیکھا کہ سفارشی رقعے کے باوجود غالی کی رہائی ممکن نہیں تو زہر کی سوئی اس کے جسم میں داخل کر کے چلا گیا اور اس طرح ہم ایک عدد ناکامی سے دوچار ہو کر رہ گئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید کہتے چلے گئے۔

"چلیے خیر، اس کا دوربین نما کیمرہ تو ہمارے ہاتھ لگ گیا ہے۔ اور اس میں وہ فلم بھی موجود ہے، جو وہ دشمن ملک کو بھیجنا چاہتا تھا۔ اب رہ گیا زمین کا معاملہ، اس کا کیا کیا جائے۔ وہ چکر ابھی تک پتے نہیں پڑا۔" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"ہاں، اب ہم — ارے ....." محمود چونک اٹھا۔

"خیریت ہے، یہ اچانک کہاں سے ارے نکل آیا۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"جس شخص نے سرتابش کی آواز میں بات کی، آخر اس کا سرتابش سے کوئی تعلق تو ہوگا، ورنہ وہ ان کی آواز کی نقل کس

طرح اتار سکتا تھا۔"

"اوہ۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

⊙

سر تابش نے انہیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔

"آپ ہمیں دیکھ کر اس قدر حیران کیوں ہیں؟" انسپکٹر جمشید بھی حیران ہو کر بولے۔

"آپ کے بارے میں ابھی تھوڑی دیر پہلے گورنر صاحب سے بات چیت ہو رہی تھی — میں ابھی آپ لوگوں کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ آپ لوگ آ پہنچے۔"

"اس سے دو نتیجے نکل سکتے ہیں — ایک تو یہ کہ ہماری عمریں بہت لمبی ہیں، دوسرے یہ کہ ہم شیطان ہیں۔" فاروق بول اٹھا۔

"ارے نہیں، خیر میں تو ایسی بات سوچ بھی نہیں سکتا؛ بہر حال آپ لوگ تشریف لائیے — یہ یقین پہلے ہی دلا دوں کہ میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں، بلا وجہ کسی کی سفارش کرنے کا عادی نہیں۔ ایسا ضرور کسی جعل ساز نے کیا ہے۔"

"ہمارا بھی یہی خیال ہے، لیکن الجھن ایک اور ہے۔" انسپکٹر جمشید ٹھہری ہوئی آواز میں بولے۔

"یہ کیسی الجھن؟"

"وہ جو کوئی بھی تھا، اس نے آپ کی آواز کی نقل کیسے کر لی۔ اس نے آپ کی آواز سن رکھی ہو گی، تبھی نقل کر سکتا تھا۔"

"ہاں، لیکن یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں — میں ایک سیاسی لیڈر ہوں۔ جلسوں میں عام طور پر تقریریں بھی کرتا ہوں — ہزاروں لوگوں نے میری آواز سن رکھی ہے۔"

"خیر، یہ میں تسلیم کر لیتا ہوں، لیکن فون کرنے والے کو یہ اندازہ کس طرح تھا کہ گورنر صاحب آپ کی سفارش کو ٹال نہیں سکتے۔ اس کا مطلب صرف اور صرف یہ ہے کہ فون کرنے والے کا کوئی نہ کوئی تعلق آپ سے ضرور ہے — یا تو اس کا آپ کے ہاں آنا جانا ہے یا پھر وہ آپ کا کوئی دوست ہے۔ کیا آپ کوئی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایسا آدمی کون ہو سکتا ہے؟"

"بھلا میں یہ اندازہ کس طرح لگا سکتا ہوں — میرے دوست بے شمار ہیں۔ ملنے جلنے والے ان گنت ہیں۔ وہ میرے حالات سے بھی واقف ہیں۔ بہت سے لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ میرے گورنر صاحب سے دوستانہ تعلقات ہیں، ان میں سے کوئی بھی فون کر سکتا تھا۔"

"آپ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ خیر دیکھا جائے گا، اب ہمیں اجازت دیجیے۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ باہر نکل کر انہوں نے

ایک میڈیکل سٹور سے اکرام کو فون کیا:

"ہیلو اکرام، شہر میں ایک لمبے قد کے آدمی کو تلاش کرانا ہے، جس کی بڑی بڑی مونچھیں ہیں۔ یہ شخص اس چور کا قاتل ہے، جسے ہوش فاروقی کے گھر سے گرفتار کیا گیا تھا۔"

"جی بہتر، میں ابھی ہدایات دیتا ہوں۔" اکرام بولا۔ ریسیور رکھ کر وہ ان کی طرف آئے اور بولے:

"میرا خیال ہے، مجھے سیٹھ ابرار سے ملنا ہوگا۔ ادھر زمین کا مسئلہ ذہن میں چبھ رہا ہے، دوسری طرف خالی چور والا معاملہ بھی کچھ کم اہم نہیں ہے۔ ارے ہاں، ہم براہِ راست کیوں نہ کام کریں" اچانک خیال آنے پر وہ چونک اٹھے۔

"براہِ راست کام سے آپ کی کیا مراد ہے؟" محمود حیران ہو کر بولا۔

"ٹھہرو، ابھی بتاتا ہوں، میری کیا مراد ہے۔"

یہ کہہ کر وہ پھر فون کرنے چلے گئے اور اس مرتبہ پورے دس منٹ بعد لوٹے۔

"ابا جان، اتنا لمبا فون۔" فاروق بولا۔

"نہیں بھئی، میں نے کئی آدمیوں کو فون کیا ہے اور آؤ، اب ذرا اس زمین تک ہو آئیں۔"

"آپ کا مطلب ہے، انعام باری والی زمین تک؟"

"ہاں، اور کون سی زمین کی بات کر سکتا ہوں۔"

"لیکن وہاں جا کر ہم کیا کریں گے؟"

"کچھ بھی نہیں۔ جن لوگوں کو میں نے وہاں بلایا ہے، وہی کچھ کریں گے۔"

"تو وہاں کچھ اور لوگ بھی پہنچ رہے ہیں؟"

"ہاں، چلو۔ ایسا نہ ہو، وہ ہم سے پہلے وہاں پہنچ جائیں۔"

زمین کے قریب پہنچے ہی تھے کہ پروفیسر داؤد اپنی کار میں آتے نظر آئے۔

"ارے، آپ نے انکل کو بھی بلایا ہے؟"

"ہاں بھئی، یہ ان کا کام ہی ہو سکتا ہے۔"

پندرہ منٹ گزرنے کے بعد وہاں اور لوگ آ چکے تھے۔ یہ سب کے سب زمین میں پوشیدہ چیزوں کی تلاش کے ماہر تھے۔ انہیں یہ چیز معلوم ہوئی تو فرزانہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی:

"لیکن پروفیسر انکل تو اس قسم کے ماہر نہیں ہیں؟"

"انہیں میں نے ایک خاص خیال کے تحت بلایا ہے۔ وہ خاص خیال کیا ہے، یہ نہیں بتاؤں گا، کیونکہ ابھی وہ صرف خیال ہے۔"

"جی بہتر، نہ بتائیے، ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔" فاروق نے مسمسی صورت بنائی اور پروفیسر مسکرا اٹھے، پھر بولے:

"لیکن جمشید، تمہیں یہ تو بتانا ہی پڑے گا کہ میں کیا کروں۔"

"آپ بھی اپنے آلات کی مدد سے اس زمین کا جائزہ لیجیے۔"

"ہوں، اچھا۔" وہ بولے۔

پھر انھوں نے تمام ماہرین کو ہدایات دیں اور وہ اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ ابھی پانچ منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ ایک کار گرد اڑاتی وہاں پہنچی۔ انھوں نے اس میں سے سیٹھ ابرار کو اترتے دیکھا۔ ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ نزدیک پہنچنے سے پہلے ہی وہ چیخ اٹھے:

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

ماہرین رک گئے۔ وہ لوگ بھی ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ سیٹھ ابرار کے ساتھ دو آدمی اور کار سے اُترے۔ ان کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔

"میں نے پوچھا ہے، یہ کیا ہو رہا ہے؟"

سب کا رُخ انسپکٹر جمشید کی طرف ہو گیا؛ گویا وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ اس سوال کا جواب انسپکٹر جمشید دے سکتے ہیں۔ سیٹھ ابرار ان کی طرف مُڑے اور بولے:

"انسپکٹر صاحب، کیا ان سب لوگوں کو آپ لے کر آئے ہیں؟"

"جی ہاں۔" وہ بولے۔

"لیکن کیوں؟"

"زمین کا معائنہ کرانا چاہتا ہوں۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ

آخر اس زمین میں ہے کیا، جس کی اتنی بڑی قیمت لگ چکی ہے اور پھر بھی فروخت نہیں کی گئی۔ اس ذرا سی زمین کی قیمت ارد گرد کی زمینوں کے مطابق بیس ہزار روپے کے قریب بنتی ہے، لیکن آپ نے اسے بیس لاکھ میں خریدا۔ اب کچھ لوگ آپ سے اسے دو کروڑ تک میں خریدنے پر تیار ہیں اور آپ فروخت نہیں کر رہے، آخر کیوں۔ اس زمین میں کیا بات ہے، بس میں صرف یہی جاننا چاہتا ہوں۔"

"لیکن آپ یہ زمین میرے ہاتھ بیچ چکے ہیں۔ اب آپ کو اس پر کوئی تجربہ کرانے کا قطعاً اختیار نہیں رہا۔ یہ میری چیز ہے، میں نے اسے باقاعدہ نیلامی میں خریدا ہے۔"

"ہاں، میں جانتا ہوں، لیکن اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی محسوس کر رہا ہوں کہ یہ کوئی ملکی معاملہ ہے۔ ملک اور قوم کا معاملہ۔ اگر ایسا ہے تو قانون دخل اندازی کر سکتا ہے۔ قانون یہ جاننے کا پورا پورا حق رکھتا ہے کہ اس زمین کی دراصل کیا اہمیت ہے جو اتنی بڑی قیمت لگائی جا رہی ہے۔ کیا خبر اس زمین کے نیچے تیل کا ذخیرہ موجود ہو یا قدرتی گیس، قدرتی وسائل...." ان کی زبان اٹکنے لگی۔ ان کی آنکھوں میں حیرت کے آثار نمودار ہوئے پھر انھوں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا:

"کیا خبر، اس زمین کے نیچے قدرتی گیس کا ذخیرہ موجود ہو۔"

ان حالات میں وہ ذخیرہ قومی ملکیت ہوگا، نہ کہ آپ کی ملکیت۔ آپ تو بس اس زمین کے مالک ہوں گے۔"

"میں ایسا نہیں سمجھتا، فرض کیجیے، میں کھیتی باڑی کے لیے یہاں ٹیوب ویل لگواتا ہوں اور اس کے ذریعے پانی کے بجائے تیل نکل آتا ہے، تو کیا وہ تیل میرا نہیں ہوگا؟"

"ہاں، ٹھیک ہے، تیل آپ کا ہوگا، لیکن وہ تیل آپ حکومت کی مرضی کے بغیر ملک سے باہر کسی کو سپلائی نہیں کر سکیں گے۔ ملک میں ہی کام آئے گا۔ اس قانون کی رو سے میں یہ جاننے کا پورا پورا حق رکھتا ہوں کہ اس زمین کے نیچے ہے کیا؟"

"ٹھیک ہے، میں یہ معاملہ عدالت تک لے جاؤں گا۔ عدالت جو بھی فیصلہ دے، مجھے منظور ہوگا۔" سیٹھ ابرار نے کہا۔

"ضرور، ضرور، کیوں نہیں۔ یہ آپ کا حق ہے۔" وہ بولے اور اپنے ساتھیوں کو کام جاری رکھنے کا حکم دیا۔

"تو کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ عدالتی فیصلے تک آپ یہاں کچھ نہ کریں۔"

"یہ مشکل ہے، ایسے معاملات میں دیر نہیں کی جا سکتی۔ قوم اور ملک کا نقصان ہے، کیونکہ میں سمجھتا ہوں کچھ بیرونی طاقتیں بھی اس زمین کے ٹکڑے میں دلچسپی لے رہی ہیں۔"

"خیر، آپ کی مرضی۔ میں زبردستی نہیں کرنا چاہتا، ورنہ آپ

لوگوں کو روک سکتا تھا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں سیٹھ ابرار صاحب، ہم ملک اور قوم کے سچے خیر خواہ ہیں۔ ملک کو نقصان پہنچنے کا ذرا سا امکان بھی نظر آ جائے تو میں دخل اندازی کر سکتا ہوں اور اس کا میرے پاس باقاعدہ اجازت نامہ ہے — ہاں، اگر کوئی ایسی بات نہ ہوئی تو میں آپ سے معافی مانگ لوں گا۔"

"مجھے معافی کا شوق نہیں؛ بہر حال ہم لوگ بھی یہاں موجود رہیں گے۔"

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

پھر وہ ان لوگوں کو لے کر دور ہٹ آئے۔ ماہرین اپنے کام میں جٹے رہے۔ پروفیسر صاحب وغیرہ بھی اپنے آلات لیے کام میں مصروف رہے۔

"ابا جان، قدرتی گیس اور قدرتی وسائل کہتے وقت آپ چونکے کیوں تھے؟"

"دیکھو بھئی، اگر اس زمین سے کوئی چیز نکل آتی ہے تو یہ معاملہ محکمہ قدرتی وسائل کا بن جاتا ہے۔ اب ذرا غور کرو، غالی محکمہ قدرتی وسائل کی عمارت کی مائیکروفلم بنا رہا تھا، آخر کیوں؟"

"اف خدا، تو کیا یہ ایک ہی معاملہ ہے؟"

"میرا خیال یہی ہے۔ قدرتی وسائل کا محکمہ ہر چھ ماہ بعد ملک

کی زمینوں کا جائزہ لیتا ہے، تاکہ زمین میں چھپے ہوئے خزانوں کو دریافت کر کے ملک کے کام میں لایا جا سکے۔ اس محکمے کے ریکارڈ کی آخر غالی کو کیا ضرورت تھی۔ اگر یہ زمین کے اسی ٹکڑے کا معاملہ ہے، تب تو وہ اس ٹکڑے کے بارے میں پہلے ہی جانتے ہیں۔ پھر غالی کو کسی ریکارڈ کا کیا کرنا تھا۔ یہ بات بھی ثابت ہے کہ غالی چور نہیں تھا، ورنہ کسی کو اسے قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ معاملہ بہت الجھ گیا ہے اور میں بہت بے چینی محسوس کر رہا ہوں۔ اب ہمیں وہ فلم دیکھنا ہوگی جو ہمیں دوربین سے ملی ہے اور یہ کام پروفیسر صاحب کی تجربہ گاہ میں ہو سکتا ہے۔"

"لیکن پروفیسر انکل تو زمین کا جائزہ لینے میں مصروف ہیں۔" فرزانہ بے چین ہو کر بولی۔

"کوئی بات نہیں، اس جائزے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔"

آخر ایک ایک کر کے سب ماہر فارغ ہو کر ان کے پاس پہنچ گئے۔

"ہاں جی، کیا خیال ہے؟"

"اس زمین کے نیچے کم از کم تیل تو موجود نہیں ہے۔" ایک ماہر نے کہا۔

"اور نہ گیس کے ذخائر موجود ہیں۔" دوسرے نے کہا۔

"کوئی خزانہ بھی پوشیدہ نظر نہیں آتا۔" تیسرے نے کہا۔

"میرا اندازہ ہے کہ اس قطعے کے عین درمیان میں کوئی بم وغیرہ گرا تھا، اس بم سے گڑھا پیدا ہو گیا تھا، اس گڑھے کے نشانات اب تک موجود ہیں۔" ایک اور ماہر بولا۔ اس کی بات نے انہیں سوچ میں مبتلا کر دیا۔

"میں نے بھی اس گڑھے کے آثار پائے ہیں، لیکن نیچے بم کے نشانات نہیں ملے۔" ایک ماہر نے اس کی تائید کی۔

"میرا خیال ہے، زمین کے نیچے گندھک کے ذخائر موجود ہیں۔"

"لیکن گندھک اس قدر قیمتی چیز نہیں ہے کہ لوگ زمین کے اس ٹکڑے کو دو کروڑ میں خریدنے کی کوشش کر گزریں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اور جمشید، اب میرا خیال بھی سن لیں، اس زمین میں کہیں کوئی ایٹم بم موجود ہے۔"

"جی کیا فرمایا، ایٹم بم؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"ہاں، ایٹم بم۔"

"یہ تو آپ بہت ہی عجیب بات بتا رہے ہیں۔ بھلا یہاں ایٹم بم کا ــــ اوہ ۔۔۔" وہ کہتے کہتے رک گئے، پھر اس ماہر کی طرف مڑے، جس نے کہا تھا کہ کوئی بم گرا تھا، جس کے گڑھے کے آثار موجود ہیں۔

"آپ وہ گڑھا مجھے دکھا سکتے ہیں؟"

"جی ہاں، کیوں نہیں۔" اس نے کہا۔

"آپ کا خیال ہے — زمین پر کوئی بم گرا تھا، لیکن بم کے آثار دکھائی نہیں دیے — پروفیسر صاحب کا کہنا ہے کہ نیچے کوئی ایٹم بم موجود ہے، یعنی ایسا بم جو پھٹ نہیں سکا۔ تب تو اس بات کے امکانات زیادہ ہو گئے ہیں اور اس زمین کو سرکاری تحویل میں لے لیا جانا چاہیے، تاکہ مزید تحقیق کی جا سکے۔" انسپکٹر جمشید جلدی جلدی بولے اور پھر سیٹھ ابرار کی طرف چل پڑے۔ نزدیک پہنچ کر بولے:

"ماہرین کا خیال ہے کہ زمین کے نیچے کوئی ایٹم بم موجود ہے۔ ایٹم بم کی موجودگی کا مطلب یہ ہے کہ معاملہ خالص قومی نوعیت کا ہے۔ لہٰذا اب یہ زمین حکومت کے قبضے میں رہے گی۔ آپ چاہیں تو اپنے بیس لاکھ روپے واپس لے سکتے ہیں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ مجھے تو اس زمین کے لوگ دو کروڑ روپے تک دینے کو تیار ہیں۔ میں بیس لاکھ کیسے لے سکتا ہوں۔"

"جب میں نے یہ زمین نیلامی میں فروخت کی۔ اس وقت یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ کوئی بم وغیرہ کا معاملہ ہے۔ اگر اندازہ ہو جاتا تو اسی وقت ماہرین کو بلا لیتا۔ میں نے فروخت کا چکر اسی لیے چلایا تھا کہ معلوم تو ہو، آخر لوگ زمین کے اس ٹکڑے کے پیچھے کیوں

پڑ گئے ہیں، لہٰذا اب آپ کو صبر کرنا ہوگا۔"

"نہیں، میں عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔"

"ضرور جائیے اور کوشش کیجیے۔" انہوں نے کندھے اچکائے۔ انہوں نے فون کے ذریعے زمین کے ٹکڑے کے بارے میں ہدایات دیں، پھر گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

"یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ اگر اس زمین میں ایک عدد ایٹم بم دھنسا ہوا ہے تو یہ لوگ کیوں کروڑوں روپے خرچ کرنے پر تیار ہو گئے ہیں۔ آخر یہ اس ایٹم بم کا کیا کریں گے؟" محمود بولا۔

"دراصل اس معاملے میں تین ملک دلچسپی لے رہے ہیں۔ ایک ملک تو وہ جس کا ایٹم بم ہے، دوسرا وہ جس نے اس ملک سے ایٹم بم خریدا ہے، تیسرا ملک وہ ہے، جو صرف یہ جاننا چاہتا ہے کہ یہ دو ملک اس زمین کے ٹکڑے کے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہیں، چکر کیا ہے — چوتھے ہم درمیان میں ٹپک پڑے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے ہمارے دشمن ملک نے ایک بڑی طاقت سے کوئی بم خریدا ہے — وہ یہاں گر گیا — اوہو نہیں، یہ بات بھی نہیں ہو سکتی — میں سمجھا، دشمن ملک کسی بم کا تجربہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے بم ہماری سرزمین پر پھینک مارا۔ اتفاق سے بم نہیں پھٹا، بلکہ زمین میں دھنس گیا۔ زمین اس جگہ سے پہلے ہی

نرم ہے۔ کیونکہ اس پر کاشت ہوتی رہتی ہے، لہذا وہ کافی نیچے
چلا گیا۔ لیکن یہ بات پھر بھی میرے حلق سے نہیں اترتی کہ اتنے
لوگ اس بم کے لیے کیوں پریشان ہیں — خیر، دیکھا جائے گا۔ اب
ہم صبح اس جگہ کی کھدائی شروع کر دیں گے۔"

"لیکن ابا جان، محکمہ قدرتی وسائل والا معاملہ تو رہ ہی گیا۔"
محمود بول پڑا۔

"وہ کیسے رہ گیا — غالی ایک غیر ملکی جاسوس تھا — وہ محکمہ
قدرتی وسائل کے ریکارڈ کی فلم دشمن ملک کو بھیجنا چاہتا تھا کہ وہ
جان سکیں کہ ہمارے ملک میں کہاں کہاں، کیا کیا کچھ دریافت ہو
چکا ہے اور کیا کچھ ہونے کے امکان ہیں۔ کہاں کہاں کام ہو
رہا ہے۔"

"گویا اس معاملے کا تعلق زمین کے معاملے سے نہیں۔"
فرزانہ بولی۔

"ایسی تو کوئی بات سامنے نہیں آئی۔"

"خیر، اب آپ کا کیا پروگرام ہے۔"

"زمین کا یہ حصہ رات بھر پولیس کی نگرانی میں رہے گا۔ صبح
ہم کھدائی کروائیں گے، پھر ہم زمین خریدنے کے خواہش مندوں کو گرفتار
کرکے یہ معلوم کریں گے کہ وہ زمین خریدنے کے خواہش مند کیوں
تھے۔ کس کے کہنے پر خریدنا چاہتے تھے۔ مجھے امید ہے اس طرح

ہم کئی غیر ملکی ایجنٹوں کو گرفتار کر سکیں گے۔"

گھر کا دروازہ تھوڑا سا کھلا دیکھ کر وہ چونک اٹھے، پھر
جلدی سے اندر داخل ہو گئے۔ ڈرائنگ روم سے باتیں کرنے کی
آواز سنائی دے رہی تھی، وہ اسی طرف بڑھ گئے۔

ڈرائنگ روم میں دو آدمی موجود تھے۔ ان میں سے ایک بہت
بوڑھا تھا۔ دوسرا لمبے قد کا جوان آدمی تھا۔ بوڑھے کے چہرے پر
گھنی ڈاڑھی تھی، جب کہ نوجوان کا چہرہ ڈاڑھی مونچھوں سے بے نیاز تھا۔
اسی وقت انہوں نے اپنے پیچھے قدموں کی آواز سنی۔ مڑ کر دیکھا
تو بیگم جمشید چائے کی ٹرے اٹھائے چلی آ رہی تھیں۔

"یہ کون لوگ ہیں بیگم؟" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔
بات سرگوشی میں کی تھی۔

"میں نہیں جانتی — ان کا کہنا ہے کہ آپ کے دوست ہیں،
چنانچہ میں نے ان کے لیے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول دیا۔"

"ٹھیک ہے — محمود، چائے کی ٹرے تم پکڑ لو — بیگم تم
باورچی خانے میں چلی جاؤ، میں خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔"

"جی خطرہ، لیکن خطرہ کیسا؟ وہ تو صرف دو ہیں۔"

"ہاں، اس کے باوجود نہ جانے کیوں میں خطرہ محسوس کر رہا
ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔" انہوں نے کہا اور باورچی خانے کی طرف چلی

گئیں —

"فاروق، فرزانہ، تم چھت پر جا کر چاروں طرف کا جائزہ لو"
"جی بہتر" انہوں نے کہا اور زینے کی طرف چلے گئے۔
"اب تم چائے لے کر اندر جاؤ — میں بیرونی دروازہ اندر سے
بند کر کے آتا ہوں" انہوں نے کہا اور دبے پاؤں دروازے کی
طرف بڑھ گئے۔

محمود ٹرے لے کر اندر داخل ہوا اور بولا:
"السلام علیکم، چائے حاضر ہے۔"
"ارے، یہ کیا — اب تک تو ہم یہاں ایک عورت کی آواز
سنتے رہے ہیں" بوڑھے نے چونک کر کہا۔
"کوئی بات نہیں، اب میری آواز سن لیجیے، بلکہ آواز کے
ساتھ ساتھ چائے بھی نوش فرمائیے — زیادہ ہی آوازیں سننے کے
شائق ہوں تو ابھی میرا چھوٹا بھائی آنے والا ہے۔ وہ آپ کو...."
"یہ میرا کیا ذکر ہو رہا ہے۔ کتنی بار کہا ہے کہ میرے پیچھے
میری باتیں نہ کیا کرو، لیکن تم ہو کہ ایک کان سے سنتے ہو اور
دوسرے سے نکال دیتے ہو۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ کیوں جناب،
آپ ہی فرمائیے۔"
"لک، کیا — کیا فرماؤں؟" بوڑھے نے بوکھلا کر کہا۔
"اب یہ بے چارے کیا فرمائیں گے، تم جو کمرے میں آ گئے ہو۔"

فرزانہ نے منہ بنایا۔ وہ بھی اس کے پیچھے ہی اندر آئی تھی۔
اسی وقت قدموں کی آواز گونجی اور انسپکٹر جمشید اندر داخل
ہوئے۔ انہیں دیکھتے ہی بوڑھا آدمی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔
"تت، تت، تم ضرور جمشید ہو — ہونا، مجھ سے ملو، میں خلیل خان
ہوں۔ تمہارے والد کا یارِ غار۔"
یہ کہہ کر وہ پرجوش انداز میں ان کی طرف بڑھے اور لپٹ
گئے۔ انسپکٹر جمشید بوکھلا اٹھے، لیکن انہیں چمٹنے سے کسی طرح
بھی نہ روک سکے۔ ادھر وہ تھے کہ خوب زور زور سے گلے مل رہے
تھے، پھر الگ ہوتے ہوئے بولے:
"یہ میرا بیٹا انور خلیل ہے، بس اسی کے سلسلے میں آیا ہوں بیٹے
تمہارے پاس — بے کار پھر رہا ہے بہت دنوں سے، اسے کہیں نہ کہیں
لگوا دو بس۔"
"لیکن محترم، میرے والد کے تو کسی دوست کا نام خلیل خان
نہیں تھا" انسپکٹر جمشید نے پریشان ہو کر کہا۔
"حد ہو گئی، یہ کیسے کہہ سکتے ہو تم — اب میں ان کی کیا
کیا باتیں بتاؤں کہ تمہیں یقین آ جائے۔ خیر چھوڑو، تم بور ہو جاؤ
گے — میں اس نالائق کی وجہ سے بہت پریشانیوں میں مبتلا ہوں۔
میری پریشانیوں کو دور کر دونا۔"
"یہ صاحب پڑھے لکھے کتنے ہیں؟" انسپکٹر جمشید تنگ آ کر

بولے۔

"بی اے پاس ہے — ٹائپ اور شارٹ ہینڈ میں بہت ماہر ہے کسی بھی دفتر میں سٹینو لگ سکتا ہے۔"

"ہوں، ٹھیک ہے۔ انہیں کل دفتر لے آئیے گا۔ مجھ سے جو ہو سکے گا، کر گزروں گا۔"

"جگ جگ جیو، مجھے تم سے یہی امید تھی۔" انہوں نے خوش ہو کر کہا، پھر اپنے بیٹے کی طرف مڑے:

"دیکھا، میں نہ کہتا تھا، جمشید میرا کہنا نہیں ٹال سکتا — اچھا بیٹا! اب ہم چلتے ہیں، صبح دفتر پہنچ جائیں گے۔"

"ارے ارے، چائے تو پی لیجیے۔"

"بس بیٹا، چائے کی کیا ضرورت ہے، یہی بہت ہے کہ تم نے میرا مان رکھ لیا۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ بیٹا بھی اٹھا اس نے ڈرتے ڈرتے کہا:

"ڈڈ، ڈیڈی، چائے....." شاید وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ چائے تو پیتے جائیے۔ جواب میں بوڑھے نے فوراً کہا:

"چپ بدتمیز — مجھے چائے کہتا ہے — دیکھا آپ نے، بھلا میں کوئی چائے ہوں — چائے ہوگا خود، چل۔"

اور وہ ڈرائنگ روم سے باہر نکل آئے۔ انسپکٹر جمشید کو اخلاقاً انہیں چھوڑنے کے لیے دروازے تک آنا پڑا، پھر ان سے ہاتھ ملائے اور دروازہ بند کرنے کے بعد اندر پہنچے۔

"بالکل جھوٹ بول رہے تھے یہ بڑے میاں۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں، میرا بھی یہی خیال ہے — دادا جان کے دوست اس قسم کے لوگ تو ہوں گے نہیں۔" محمود نے کہا۔

"لیکن حیرت ہے، بڑے میاں نے چائے کیوں نہیں پی؟"

"مجبوریاں انسان سے نہ جانے کیا کچھ کراتی ہیں — اس کے بیٹے کو ملازمت نہیں مل رہی، بس میرے والد صاحب کا دوست بن کر یہاں آ گیا — تاکہ میں ملازمت دلانے کی کوشش کر سکوں۔" انسپکٹر جمشید نے سرد آہ بھری۔

"اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ بڑے میاں پکے جھوٹے ہیں، آپ اس کے بیٹے کی ملازمت کے لیے کوشش کریں گے۔" فرزانہ کا لہجہ سوالیہ تھا۔

"ہاں، کیا حرج ہے۔ اگر بیٹا اس قابل ہوا تو ضرور کوشش کروں گا — بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے ملک میں رشوت اور سفارش کا دور دورہ ہے — غریب لوگوں کو ملازمتیں نہیں ملتیں — سفارشی لوگوں کو یا پھر رشوت دینے والوں کو ملتی ہیں۔ انٹرویو کے لیے اخبارات میں اشتہارات ضرور دیے جاتے ہیں، لیکن جتنے لوگوں کو

ملازم رکھنا ہوتا ہے، وہ پہلے ہی رکھ لیے جاتے ہیں۔"

"ہاں، نہ جانے یہ ناانصافیاں کب ختم ہوں گی۔" فرزانہ نے لمبا سانس کھینچا۔

دوسری صبح انہوں نے سب سے پہلے اکرام کو فون کیا۔

"ہاں بھئی اکرام، زمین کے بارے میں کیا رپورٹ ہے۔ رات وہاں کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی۔"

"جی نہیں۔ حالات بالکل پرسکون ہیں۔"

"ٹھیک ہے، زمین کی کھدائی کا انتظام کرو۔ میں بھی دفتر پہنچ رہا ہوں۔"

"آپ دفتر آکر کیا کریں گے سر، زمین پر ہی پہنچ جائیے۔" اکرام نے حیران ہو کر کہا۔

"نہیں بھئی، ایک شخص کو وقت دے چکا ہوں۔ وقت دیتے وقت خیال نہیں رہا تھا کہ صبح مجھے دفتر کی بجائے زمین پر جانا ہے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ تھوڑی دیر لگے گی۔"

فون کا ریسیور رکھ کر وہ تیار ہونے لگے۔ کوٹ پہن کر صحن میں آئے اور جیبوں میں ہاتھ ڈالا، لیکن پھر اچھل پڑے۔

"ارے!" ان کے منہ سے نکلا۔

"خدایا رحم، صبح ہی صبح ارے سے ناشتا کرنا پڑ رہا ہے۔"

لا نے گھبرا کر کہا۔

"وہ۔ وہ دوربین میری جیب میں نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا؟" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

کھلی چھٹی

چند منٹ تک خاموشی طاری رہی۔ آخر محمود نے کہا۔

"جہاں تک مجھے یاد ہے، ہم نے وہ دُوربین پروفیسر انکل سے لے لی تھی اور چھت پر چڑھ کر اس سے چاروں طرف کا جائزہ لیا تھا۔"

"ہاں، اور اس کے بعد میں نے اسے جیب میں رکھ لیا تھا۔ پھر وہ کہاں گئی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس کے علاوہ کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ کہیں گر گئی۔"

"نہیں بھئی، گرتی تو مجھے پتا چل جاتا اور اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ بوڑھا آدمی ہی دوربین کو اڑا لے گیا ہے۔ دونوں اسی لیے آئے تھے۔"

"بالکل یہی بات ہے۔" فرزانہ پرجوش لہجے میں بولی۔

"لیکن ابا جان، یہ کیسے ہو سکتا ہے، اس نے آپ کی جیب سے دوربین نکال لی اور آپ کو پتا نہیں چلا۔"

"میں خود حیران ہوں، وہ شاید بہت ہی تیز طرار اور پھرتیلا آدمی تھا۔"

"حیرت ہے، بڑھاپے میں اتنا پھرتیلا پن۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"ہاں، تم نے ٹھیک کہا۔ وہ بوڑھا ہرگز نہیں تھا، بلکہ اس نے ایک بوڑھے آدمی کا میک اپ کیا ہوا تھا۔ خیر کوئی بات نہیں، دیکھا جائے گا، آؤ زمین پر چلیں۔"

وہ وہاں پہنچے تو کھدائی کا انتظام ہو چکا تھا۔ ان کی موجودگی میں کھدائی شروع کی گئی۔ یہ کھدائی اسی جگہ سے شروع کی گئی تھی، جہاں گڑھے کے آثار پائے گئے تھے۔ اس جگہ کے چاروں طرف گولائی میں کھدائی کی جاتی رہی اور ایک کنواں سا تیار ہوتا چلا گیا۔ یہاں بموں کے ماہرین بھی موجود تھے، تاکہ جوں ہی بم نظر آئے، اسے پھٹنے کے قابل نہ رہنے دیا جائے۔

گڑھا گہرا ہوتا چلا گیا، لیکن کسی بم کے آثار نظر نہ آئے، یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ اب تو ان کی پریشانی بڑھنے لگی۔ اگر اس زمین میں کچھ بھی نہیں تھا، تو پھر لوگ اسے خریدنے کے لیے مر کیوں جا رہے ہیں۔ آخر گڑھا اتنا گہرا ہو گیا کہ گیلی ریت نکلنے لگی۔ ایک بار پھر ماہرین سے جائزہ لینے کے لیے کہا گیا۔ وہ گڑھے میں اتر گئے۔ اور پندرہ منٹ تک جائزہ لینے کے بعد

اوپر آئے۔

"نہیں جناب، اس گڑھے میں کسی بم کے آثار نہیں ہیں۔"

"کیا کہہ رہے ہیں بھئی"، پروفیسر کا اندازہ ہے، "جو غلط نہیں ہو سکتا۔"

"لیکن جناب، ہمارا اندازہ بھی غلط نہیں ہو سکتا۔"

"ٹھہریے، میں ابھی پروفیسر داؤد کو بلاتا ہوں۔"

آدھ گھنٹے بعد وہ بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے گڑھے کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا اور بولے۔

"نہیں بھئی، بم اتنی گہرائی میں نہیں جا سکتا تھا۔"

"لیکن پروفیسر صاحب، آپ ہی نے تو اندازہ لگایا تھا کہ اس زمین کے نیچے ضرور کوئی بم موجود ہے۔"

"ہاں ضرور کہا تھا، ٹھہرو میں ابھی آلات کی مدد سے جائزہ لیتا ہوں۔"

انہوں نے کہا اور گڑھے میں اُتر گئے ۔۔ انہوں نے بھی ان کا ساتھ دیا ۔۔ نیچے پہنچ کر پروفیسر صاحب نے آلات سے جائزہ لینا شروع کیا ۔۔ دوسرے ہی لمحے ان کے چہرے پر حیرت کے آثار نمودار ہوئے ۔۔ وہ اس طرح بولے جیسے خواب میں بول رہے ہوں ۔۔

"یہ ۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"کیا کیسے ہو سکتا ہے؟" انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

"اب ۔۔ اب میرے آلات کسی بم وم کا پتا نہیں دے رہے ہیں۔"

"اوہو، اچھا ۔۔ تو کیا اس وقت آپ کے آلات نے آپ کو غلط بتایا تھا؟"

"یہ بات بھی نہیں ۔۔ اس وقت آلات نے جو بتایا تھا، میں نے بھی آپ لوگوں کو بتا دیا تھا، اور آلات غلط نہیں بتا سکتے۔"

"پھر بم کہاں گیا؟" فاروق بول پڑا۔

"بم کہاں گیا؟ بھئی، بھلا میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ارے ہاں، ٹھہرو۔" یہ کہہ کر وہ اوپر آ گئے اور مٹی کے اس ڈھیر کے پاس پہنچے، جو گڑھا کھودنے کے دوران نکلی تھی ۔۔ انہوں نے اس مٹی پر آلات رکھ کر کام شروع کیا ۔۔ یہاں تک کہ مٹی کی نچلی تہہ تک پہنچ گئے۔ اچانک ان کے چہرے پر پھر حیرت کے آثار نمودار ہوئے:

"اوہو، جمشید، آثار پھر موجود ہیں۔"

"جی، کیا مطلب؟" وہ تیزی سے ان کی طرف مڑے۔

"ہاں جمشید۔ مٹی میں کوئی ایسی چیز موجود ہے، جس سے بم کی موجودگی ظاہر ہوتی ہے اور اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زمین کی اوپری سطح پر اس قسم کے ذرات بکھیر دیے گئے ہوں، تاکہ ہم غلط راستے پر لگ جائیں۔" انہوں نے کہا۔

"اوہ، لیکن اس کی خریداری کے لیے تو پیش کش پر پیش کش

ہو رہی ہے۔"

"اس سلسلے میں میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"ہوں! بات تو ٹھیک ہے، اس کا مطلب ہے، ہمیں کھدائی بند کرا دینی چاہیے، کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔"

اُلجھے ہوئے ذہنوں کے ساتھ واپس لوٹے۔

"کوئی چیز میرے ذہن میں بُری طرح چبھ رہی ہے۔ نہ جانے کیا۔" انسپکٹر جمشید نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"اس کیس میں پے در پے ناکامی چبھ رہی ہوگی ابا جان۔" فاروق مسکرا دیا۔ جواب میں وہ بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکے، پھر بولے:

"دراصل تم نے بھی تو کوئی کام نہیں دکھایا۔"

"آپ ہمیں کھلی چھٹی دے دیں، ہم کام دکھا دیں گے۔" فاروق بول اُٹھا۔

"تو پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔ جاؤ، تمہیں کھلی چھٹی ہے۔"

"بہت بہت شکریہ ابا جان، آؤ بھئی چلیں۔"

"لیکن کہاں؟" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

"اس بوڑھے اور نوجوان کو تلاش کریں۔ دور بین کا اس قدر چالاکی سے اڑایا جانا ہمیں بھی بہت کھٹک رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے، جاؤ۔" وہ مسکرائے اور جیپ روک لی۔ وہ جیپ سے اتر گئے۔ انسپکٹر جمشید آگے بڑھ گئے۔

"ہاں، تیس مار خان صاحب، اب بتاؤ، کہاں چلنا ہے؟" فرزانہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"پہلے اپنے لہجے کو طنز سے پاک کرو، پھر بتاؤں گا۔" فاروق جل کر بولا۔

"چلو کر لو فرزانہ، ورنہ یہ حضرت کچھ بتائیں گے نہیں اور ہمیں سڑک پر کھڑے رہنا پڑے گا۔" محمود بے چارگی کے عالم میں بولا۔

"اور کیا؟" فاروق بولا۔

"اچھا، میں اپنا طنز واپس لیتی ہوں، تم تیس مار خان ہرگز نہیں ہو۔"

"شکریہ، میرا خیال ہے، ہمیں غالی کی تصویر لے کر ہوش فاروقی کے گھر کے آس پاس چکر لگانا چاہیے۔"

"اس سے کیا ہوگا؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"ہوگا اس سے یہ کہ ہم لوگوں کو غالی کی تصویر دکھا دکھا کر معلوم کریں گے کہ انہوں نے اس آدمی کو کہیں دیکھا ہے؟"

"لیکن غالی تو مر چکا ہے، اسے تلاش کرنے سے کیا حاصل۔ ہمیں تو اس بوڑھے کو تلاش کرنا ہے، جس نے دور بین اڑائی ہے۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"تم احمق ہو، میں غالی کو تلاش کرنے کی بات نہیں کر رہا۔ اس
کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے۔" فاروق ہنستا کر بولا۔
"کیا فائدہ، جب وہ بے چارہ مر ہی چکا ہے۔" فرزانہ بڑبڑائی۔
"وحت تیرے کی۔ کبھی سمجھنے کی کوشش بھی کر لیا کرو۔" فاروق
نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا، پھر چونک کر اپنے ہاتھ کو دیکھا، جیسے
اس سے کوئی زبردست غلطی ہو گئی ہو۔
"نکل گئی بات، ہاتھ سے۔" محمود نے بُرا سا منہ بنایا۔
"ان باتوں میں بس یہی بات بُری ہے کہ ہاتھ سے نکل جاتی
ہیں۔" فاروق شوخ انداز میں مسکرایا۔
"لو، اور سنو جملہ۔" محمود فرزانہ کی طرف مُڑا۔
"اب کیا کیا جائے۔ ان حضرت کی عادات کو بدل ڈالنا ہمارے
بس کی بات تو ہے نہیں۔" فرزانہ نے کندھے اچکائے۔
"اپنی عادات تم بدل لو، میں بھی اپنی بدل لوں گا۔ وعدہ
رہا۔" فاروق مسکرایا۔
"ابا جان نے ہمیں کھلی چھٹی اس لیے نہیں دی کہ ہم باتوں
میں اسے گزار دیں۔ کھلی چھٹی دینے سے ضرور ان کا کوئی خاص
مقصد ہے۔" محمود نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔
"اور وہ ہے کہ ہم کوئی کام کر کے دکھائیں۔ لیکن اس سڑک
پر کھڑے رہ کر ہم کام ہرگز نہیں دکھا سکتے، لہٰذا آؤ چلیں۔ باتیں

بگھارنے سے بہتر ہے کہ کوئی قدم اٹھایا جائے۔" فرزانہ نے
جلدی جلدی کہا اور چل پڑی۔
"سوال یہ ہے کہ کہاں جائیں۔" محمود نے پیچھے سے پکارا۔
"آؤ سیٹھ ابرار کے ہاں چلیں۔ آخر یہ شخص بھی تو دشمن
ملک کا جاسوس ہے، ورنہ زمین کیوں خریدتا۔ دو کروڑ کی پیش
کش کے باوجود زمین فروخت نہ کرنا بھی اسی بات کی طرف اشارہ
کرتا ہے۔"
چاروناچار وہ سیٹھ ابرار کے گھر کی طرف چل پڑے، لیکن
ابھی نزدیک نہیں پہنچے تھے کہ ایک کار تیزی سے اپنی طرف آتے
دیکھی۔ وہ جلدی سے ایک طرف ہو گئے۔ کار ان کے پاس سے
زوں کر کے گزر گئی۔
"اوہو، سیٹھ ابرار تو اس کار میں بیٹھا ہے۔"
"کیا تم نے بالکل صاف دیکھا ہے۔" محمود چونک کر بولا۔
"ہاں، اس لیے کہ میری نظر کمزور نہیں ہے۔ کار کی اندرونی
لائٹ روشن تھی۔"
"تو پھر چلو، اس کے تعاقب میں چلتے ہیں۔" محمود پُرجوش
لہجے میں بولا۔
"اور تم دونوں کو آتا ہی کیا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا اور پھر
وہ بھی ایک ٹیکسی میں سوار کار کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔

سیٹھ ابرار کی کار بہت تیز رفتاری سے جا رہی تھی۔ یہ تعاقب تقریباً ایک گھنٹے تک جاری رہا۔ اب وہ شہر سے باہر جنگل میں سے گزرتی ایک سنسان سڑک پر جا رہے تھے۔

"حیرت ہے، آخر یہ شخص کہاں جا رہا ہے" فرزانہ بڑبڑائی۔

"پپ — پتا نہیں" فاروق بولا۔

"تم سے کون پوچھ رہا ہے"

"اوہ، میں سمجھا — تم نے یہ بات مجھی سے پوچھی ہے، سوری" فاروق مسکرایا۔

"جہاں بھی جا رہا ہے، خاص ضرورت کے تحت جا رہا ہے۔ تیز رفتاری سے یہی ظاہر ہے"

"ہوں، ارے — کار کی رفتار کم ہونے لگی ہے۔ اب یا تو اس کی منزل آگئی ہے، یا پھر اس نے ہمیں تعاقب میں محسوس کر لیا ہے۔"

"مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ ہم بھی یہیں اتر چلیں"

اور پھر انہوں نے سیٹھ ابرار کی کار کو رکتے دیکھا۔ وہ بھی کافی فاصلے پر اتر گئے۔ انہوں نے اسے اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ نیچے اترتے دیکھ لیا — دوسرے ہی لمحے ان کے جسموں میں سنسنی کی لہریں دوڑ گئیں۔ اس کے دونوں ساتھیوں کے ہاتھوں میں سٹین گنیں تھیں، جب کہ سیٹھ ابرار خالی ہاتھ ان سے آگے چلا جا رہا تھا۔

"یہ کیا؟ کیا سیٹھ ابرار کو قیدی بنا کر لایا گیا ہے" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"انہوں نے سٹین گنیں ان پر تو تان نہیں رکھیں" فرزانہ بولی۔

"ان کے بارے میں سوچنے کی بجائے، یہ کیوں نہیں سوچتے ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ ہمیں کیا کرنا چاہیے" فاروق نے بھنا کر کہا۔

"اگر تم سٹین گنوں کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے ہو تو جا کر گھر سے اسلحہ لے آؤ — ہم آگے بڑھنے سے نہیں رک سکتے" فرزانہ نے جل کر کہا۔

"میں اکیلا گھر چلا جاؤں — بزدل کہلاؤں، یہی چاہتی ہو نا تم، لیکن میں تمہارا یہ خواب پورا نہیں ہونے دوں گا" فاروق نے بھی منہ بنا کر کہا۔

"تو پھر تم کیا کرو گے؟"

"میں تم سے آگے چلوں گا" اس نے کہا اور آگے بڑھ گیا — دونوں مسکرائے بغیر نہ رہ سکے اور اس کے پیچھے قدم اٹھانے لگے۔

سیٹھ ابرار دونوں سٹین گنوں والے کے ساتھ اب گھنے جنگل میں سے گزر رہے تھے۔ ان کے ہاتھ میں ٹارچ روشن تھی۔

"اوہو، یہ علاقہ تو شالی کا میدان کہلاتا ہے — کسی زمانے

یہ میدان رہا ہوگا، اب جنگل بن چکا ہے۔" محمود بڑبڑایا۔

"شالی کا میدان، یہ تم کس طرح کہہ سکتے ہو۔" فاروق نے اس کی طرف دیکھا۔

"ادھر دیکھو، وہ ٹیلا نظر آرہا ہے — یہ دراصل ایک ابھری ہوئی چٹان ہے۔ پورے میدان میں بس یہی ایک چٹان ہے۔ باقی سارا علاقہ میدانی ہے — بہت ہی نرم زمین ہے یہاں کی۔" محمود نے کہا۔

"کیا تم نے اس علاقے کے بارے میں کوئی مضمون پڑھا تھا؟" فاروق کے لہجے میں طنز تھا۔

"ہاں، ایک رسالے میں پڑھا تھا، کیا تمہیں اعتراض ہے؟"

"نن، نہیں تو — بھلا مجھے کیوں اعتراض ہوتا — میری طرف سے تو تم زمانے بھر کا جغرافیہ پڑھتے پھرو۔"

اچانک جنگل میں ٹیلے کے ساتھ انہیں تیز روشنی نظر آنے لگی — اس روشنی کو دیکھ کر ان کی حیرت اور بڑھی۔

"معاملہ کچھ لمبا ہی لگتا ہے۔" فرزانہ کی آواز میں کپکپی تھی۔

"لمبا ہو یا چھوٹا، معاملہ پُراسرار ضرور ہے۔" محمود نے کہا۔

"چلو اچھا ہے — کچھ نہ ہونے سے تو بہتر ہے۔" فاروق بولا۔

اچانک انہوں نے گرج دار آواز سنی:

"خبردار، تم لوگ ہاتھ اوپر اٹھا دو — ورنہ بھون ڈالے جاؤ گے۔"

انہوں نے گھبرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا، لیکن سیٹھ ابرار اور اس کے ساتھیوں کے منہ تو دوسری طرف تھے؛ گویا یہ جملہ ان سے نہیں کہا گیا تھا، آواز سیٹھ ابرار کے منہ سے نکلی تھی — اچانک دھپ دھپ کی آوازیں سنائی دیں اور انہوں نے ان تینوں کو اوندھے منہ گرتے دیکھا — تین درختوں پر سے کچھ وزنی سی چیزیں ان کے سروں پر گری تھیں اور وہ آواز نکالے بغیر ہی ڈھیر ہوگئے تھے — ساتھ ہی ایک طویل قہقہہ گونجا اور کسی نے کہا:

"احمق کہیں کے — سمجھتے تھے، میں یہاں بغیر کسی انتظام کے آگیا ہوں گا — چلو، تم لوگ کیوں رک گئے، کھدائی جاری رکھو۔"

ان الفاظ نے ان کے رونگٹے کھڑے کر دیے۔ وہ اس آواز کو صاف پہچانتے تھے اور سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ یہاں اس آواز کو سننا پڑے گا۔ دوسرے ہی لمحے محمود سینے کے بل لیٹ گیا۔ فاروق اور فرزانہ نے بھی یہی کیا — دشمن کے ساتھی درختوں پر موجود تھے — اور وہ نیچے سے ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے تھے — جب کہ وہ اچھی طرح تینوں کی خبر لے سکتے تھے — یہی وجہ تھی کہ

محمود نے نیچے لیٹ جانے کا فیصلہ کیا۔

اب وہ کھدائی کرنے کی آوازیں صاف سن رہے تھے۔ رات کے سناٹے میں کدالوں کی آوازیں عین ان کے سروں میں دھمک پیدا کر رہی تھیں۔ انہوں نے دیکھا، وہی بوڑھا اور نوجوان ایک طرف کھڑے تھے اور چار آدمی زمین کھود رہے تھے۔

O

چھ آدمی تو انہیں نظر آ رہے تھے، جو درختوں پر تھے، ان کے بارے میں انہیں کچھ معلوم نہیں تھا اور اصل خطرہ بھی انہیں ان کی طرف سے ہی تھا۔ تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر محمود نے اشاروں میں کہا:

"اب کیا کریں؟"

"میری تجویز یہ ہے کہ ہم میں سے ایک شہر جا کر ابا جان کو فون کرے اور لوٹ آئے، وہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ آجائیں گے۔" فرزانہ نے جواب دیا۔

"سوال یہ ہے کہ جائے کون؟"

"ظاہر ہے، تم یا فاروق ہی جا سکتے ہو، میں تو جا نہیں سکتی۔" فرزانہ بولی۔

محمود اور فاروق نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے دونوں ہی جانے پر رضامند نہ ہوں۔ دراصل صورتِ حال

کچھ ایسی تھی کہ یہاں سے جانا کسی کو بھی گوارا نہیں تھا۔ دوسری طرف خطرہ بہت تھا۔ سٹین گنوں والے اس وقت بے ہوش پڑے تھے، پھر اچانک محمود کو نہ جانے کیا سوجھی، اس نے سیٹھ ابرار اور اس کے ساتھیوں کی طرف رینگنا شروع کر دیا۔ سناٹے میں سرگوشی میں بھی بات کرنا خطرناک تھا، لہذا فرزانہ نے محمود کی ٹانگ پکڑ لی اور اشارے میں بولی:

"کیا ارادہ ہے؟"

اس نے ہاتھ سے انہیں وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور آگے رینگ گیا۔ جلد ہی وہ ان تینوں کے قریب پہنچ گیا۔ تیز روشنی کا مرکز چونکہ اس جگہ کے اوپر تھا، جہاں کھدائی ہو رہی تھی، اس لیے اس جگہ تاریکی تھی۔ اس نے پوری احتیاط سے دونوں سٹین گنیں سمیٹیں اور واپس مڑ گیا۔ ان کے نزدیک پہنچ کر اس نے سٹین گنیں ان کے سامنے رکھ دیں، جیسے کہہ رہا ہو:

"لو، میں تمہارے لیے اسلحہ لے آیا ہوں۔"

لیکن وہ اس اسلحے سے اس وقت تک فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے، جب تک کہ درختوں پر موجود دشمن نیچے نہ آجاتے۔ آخر خدا خدا کر کے اس بوڑھے کی آواز سنائی دی:

"وہ مارا، ہم ان تک پہنچ گئے۔ اب تم لوگ درختوں پر سے اتر آؤ، شاید سیٹھ ابرار کے علاوہ کوئی ہمارا پتا نہیں چلا سکا، ورنہ وہ

اس وقت تک یہاں آ چکے تھے۔"

چھ آدمی اترتے نظر آئے۔

"ان کو گڑھے سے نکال کر ٹرک پر لادنا ہے اور پھر سرحد تک پہنچانا ہے۔ وہاں ہمارے ساتھی کارروائی کے لیے تیار ہوں گے۔ ایک میل دور وہ اچانک فائر کھول دیں گے۔ اس طرح سرحد پر موجود ادھر کے تمام سپاہی اس طرف کا رُخ کریں گے اور ہم ٹرک دوسری طرف پہنچا دیں گے اور آخر کار اس کامیابی کا سہرا میرے سر رہے گا۔ یہ کوئی کم کامیابی نہیں کہ ایک بڑے ملک کے جاسوسوں کو ناکام بنا دیا اور اس ملک کے سراغ رسانوں کو معاملے کی ہوا تک نہیں لگنے دی۔ زمین کا وہ ہوا کھڑا کیا کہ اچھے اچھے چکر میں آ گئے، اسے کہتے ہیں منصوبہ — چلو اب تیاری کرو۔"

تینوں کے دل تیزی سے دھڑکنے لگے۔ اب انہیں کوئی قدم اٹھانا تھا — زمین میں جو کچھ بھی دفن تھا، ٹرک پر لاد لے جانے سے پہلے پہلے کارروائی ضروری تھی — محمود نے فرزانہ کی طرف دیکھا، جیسے کہہ رہا ہو:

"ہاں فرزانہ، اب کیا کریں؟"

فرزانہ نے اس کے جوتے کی ایڑی کی طرف اشارا کیا اور سمجھایا:

"چاقو تمہارے جوتے کی ایڑی میں موجود ہے — جاؤ، اور جا کر اس سے ٹرک کے ٹائر پنکچر کر دو — ٹرک دوسری طرف کیس

کڑا ہوگا۔"

ترکیب اچھی تھی، لیکن خطرے سے خالی نہیں تھی؛ تاہم اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔ اس طرح یہ لوگ کم از کم اس چیز کو لے کر فرار نہیں ہو سکتے تھے۔ صاف ظاہر تھا، وہ چیز بہت وزنی تھی؛ ورنہ اس کے لیے ٹرک کی ضرورت کیوں محسوس کی جاتی۔

محمود نے سینے کے بل ایک لمبا چکر کاٹنا شروع کیا۔ ایک اسٹین گن انہیں دے کر دوسری وہ ساتھ لیتا گیا تھا۔ ادھر فرزانہ کو نئی ترکیب سوجھی۔ اس نے فاروق سے اشاروں میں کہا۔

"آؤ، میں اور تم بھی درخت پر چڑھ جائیں۔ اوپر سے ہم ان کی خبر آسانی سے لے سکیں گے۔"

فاروق کو یہ تجویز بہت معقول لگی — دونوں احتیاط سے اوپر چڑھنے لگے — مشکل یہ تھی کہ وہ ان سب کو زندہ گرفتار کرنا چاہتے تھے، ورنہ انہیں ختم کرنا تو اب ان کے لیے مشکل نہیں رہا تھا — بس اوپر سے گولیاں برسانا شروع کر دیتے۔

اچانک انہوں نے ٹرک کے ٹائر کی ہوا نکلنے کی آواز سنی۔

"ارے، یہ ٹائر کو کیا ہوا؟" بوڑھا چلّا اٹھا۔

"شش، شاید پنکچر ہو گیا۔" نوجوان ہکلایا۔

"اوہ، اب کیا ہوگا — ٹرک کے بغیر تو ہم کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔"

"تب ہمیں ایک اور ٹرک چرانا پڑے گا اور اس کے لیے شہر جانا ہوگا- اس میں بہت وقت لگ جائے گا" نوجوان کی آواز سے پریشانی جھلک رہی تھی۔

محمود نے یہ جملے سنے اور بقیہ ٹائر جوں کے توں چھوڑ دیے، ورنہ وہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے۔

"میری کار لے کر چلے جاؤ اور ایک ٹرک اڑا کر لے آؤ۔ جاؤ، دیر نہ کرو" بوڑھا بولا۔

"بہت بہتر، لیکن رات کے وقت ٹرک ....." نوجوان نے کہنا چاہا—

"رات کے وقت تو ٹرک اور بھی آسانی سے مل جاتے ہیں— ڈرائیور اور اس کے ساتھی سے تو تم نبٹ ہی لوگے، لیکن پہلے دیکھ لینا، ٹرک خالی بھی ہے یا نہیں"

"ٹھیک ہے سر" اس نے کہا اور جانے کے لیے مڑ گیا— اس کا رخ اسی طرف تھا، جس طرف فاروق اور فرزانہ موجود تھے۔ اس نے سوچا، وہ دونوں اسے نہیں جانے دیں گے۔ اسی وقت اس نے بوڑھے کی آواز سنی۔

"ان تینوں کو بھی دیکھ لو، ہوش میں نہ آ جائیں۔ گڑھا خالی ہونے تک انہیں اوپر ہی رکھنا ہو گا۔ جونہی گڑھا خالی ہوا، ہم انہیں اس میں اتار دیں گے"

"ٹرک آنے تک ہم گڑھے کو خالی کرنا کیوں نہ شروع کر دیں"

"ہاں، یہ ٹھیک رہے گا، لیکن پہلے انہیں دیکھ لو"

"بہتر" ایک نے کہا، پھر ان تینوں کا جائزہ لیا گیا- اس کے بعد گڑھے میں اترتے نظر آئے— اب اوپر صرف بوڑھا رہ گیا۔ محمود کے نہ جانے کیا جی میں آئی کہ رینگتا ہوا اس کے پیچھے پہنچ گیا اور سٹین گن اس کے سر پر دے ماری۔ بوڑھا نیچے گرا اور بے حس ہو گیا- اس نے ادھر دیکھا، جدھر نوجوان گیا تھا- وہ اب اس جگہ پہنچ چکا تھا، جہاں فاروق اور فرزانہ چھپے ہوئے تھے۔ بوڑھے کے گرنے کی آواز سن کر وہ واپس مڑا اور حیران ہو کر بولا:

"کیا ہوا سر؟"

جواب نہ پا کر وہ تیزی سے واپس آیا، لیکن اسی وقت دھڑام سے نیچے گرا— فاروق اس دوران درخت کی سب سے نچلی شاخ تک آ چکا تھا اور اس نے وہیں سے سٹین گن کا نچلا حصہ اس کے سر پر رسید کیا تھا— محمود نے اسے گرتے دیکھا تو بھرپور انداز میں مسکرا دیا۔ اب صرف دس دشمن باقی تھے اور وہ سب کے سب گڑھے میں اترے ہوئے تھے— اس نے آگے بڑھ کر دیکھا، وہ گڑھے میں سے کوئی چیز گھسیٹ کر اوپر لا رہے تھے اور اس جدوجہد میں وہ اوپر کی کوئی آواز نہیں سن سکے تھے۔ محمود نے ان

دونوں کو ہاتھ کا اشارا دیا۔

"یہیں آ جاؤ، جلدی کرو۔"

فاروق اور فرزانہ فوراً اس تک پہنچ گئے۔ اب محمود اور فاروق نے سٹین گنوں کو نال کی طرف سے پکڑ لیا۔ فرزانہ کو درخت کی ایک موٹی سی شاخ مل گئی تھی۔ تینوں گڑھے کے کنارے کھڑے ہو گئے۔ دس کے دس آدمی اوپر دیکھے بغیر اس چیز کو کھینچ رہے تھے۔ جوں ہی ان کے سر ابھرے، ان کے ہاتھ بجلی کی سی تیزی سے حرکت میں آ گئے۔ تڑا تڑ سروں پر پڑنے والی چوٹوں نے پہلے تو ان دس آدمیوں کو بوکھلا دیا اور پھر بے ہوش ہونے پر مجبور کر دیا۔ جلد ہی میدان ان کے ہاتھ تھا۔

"اب تم دونوں یہیں ٹھہرو۔ جوں ہی کسی کے جسم میں حرکت کے آثار دیکھو، اس کے سر پر دو چار ہاتھ رسید کر دو، میں مدد لے کر آ رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، تم فکر نہ کرو۔ ان میں سے اب کوئی سر نہیں اٹھا سکے گا۔" فاروق نے کہا۔

○

محمود کی واپسی میں دو گھنٹے لگ گئے۔ انسپکٹر جمشید اور بڑے بڑے

آفیسرز کو ساتھ لے کر جب وہ وہاں پہنچا تو حالات معمول پر تھے۔ فاروق اور فرزانہ دونوں چوکس کھڑے تھے۔ پہلے تو سب مجرموں کو گرفتار کیا گیا، اس کے بعد اس چیز کی طرف توجہ دی گئی۔ ہیرے کی شکل کا یہ ایک بہت بڑا خول سا تھا جو کسی عجیب و غریب دھات سے بنایا گیا تھا۔ اس خول میں باقاعدہ ایک دروازہ بھی تھا۔ اس دروازے میں تالے کا سوراخ بھی نظر آ رہا تھا۔ اس خول کا نچلا حصہ نوکیلا تھا۔ اوپر والا حصہ بھی نوکیلا تھا، بس درمیانی حصہ چوڑائی میں تھا اور گول تھا۔

"یا خدا، آخر یہ کیا چیز ہے؟" آئی جی صاحب کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔ راستے میں محمود انہیں ساری تفصیل سنا چکا تھا۔

"اسے کھول کر دیکھنا ہو گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

سب لوگوں نے مل کر اسے اوپر کھینچا، وہ بہت وزنی تھا۔ اب انسپکٹر جمشید نے جیب سے چابیوں کا گچھا نکالا اور باری باری چابیاں لگانے لگے، لیکن کوئی چابی نہ لگ سکی، پستول کے ذریعے بھی تالا نہیں کھول سکتے تھے، کیونکہ نہ جانے اس کے اندر کیا تھا۔ آخر قفل کھولنے کے ماہرین کی خدمات حاصل کی گئیں، تب کہیں جا کر اس خول کا دروازہ کھلا اور پھر سب کے سب بھونچکے رہ گئے۔ ان کے سینوں میں سانس اٹک کر رہ گئے، منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

"اُف اللہ! یہ تو نیوٹرون بموں کی پوری کھیپ ہے، جو بڑی حفاظت سے اس خول میں پیک کیے گئے ہیں۔" آئی جی صاحب نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا۔

"لیکن ان بموں کا اس گڑھے میں کیا کام، یہ یہاں کیسے پہنچ گئے؟" ایک آفیسر نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"بہت سیدھی سی بات ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی، سیدھی سی بات۔" کئی آوازیں ابھریں۔

"جی ہاں، بالکل سیدھی سی — ایک بڑے ملک نے نیوٹرون بموں کی یہ کھیپ ہمارے دشمن ملک کو بھیجی تھی، لیکن جس طیارے میں یہ بھیجی گئی، اس میں یا تو کوئی خرابی ہو گئی یا اس کا نچلا حصہ کھل گیا اور یہ خول ہماری سرزمین پر گر پڑا — وزن کی وجہ سے یہ زمین میں دھنستا چلا گیا — زمین بھی اس جگہ بہت نرم ہے، لہٰذا یہ کافی گہرائی میں چلا گیا — اب اس بڑی طاقت نے تلاش شروع کی۔ یہ تو پائلٹ نے بھی بتا دیا ہو گا کہ بموں والا خول ہمارے ملک میں کہیں گرا ہے — ساتھ ہی اس نے یہ بھی بتایا ہو گا کہ جس جگہ خول گرا، وہاں ایک چٹان بھی دیکھنے میں آئی ہے — میدانی علاقے میں ابھری ہوئی ایک چٹان خاص نشانی تھی، لہٰذا بڑے ملک نے اپنے جاسوسوں کو اطلاع دی جو ہمارے ملک میں پہلے ہی سرگرم ہیں — ادھر دوسرے بڑے ملک کو بھی اس واقعے کی سن گن

لگ گئی — اس نے بھی کوشش شروع کر دی کہ کسی طرح انہیں اس کھیپ کے گرنے کی جگہ معلوم ہو جائے۔ ہمارا دشمن ملک بھی خبردار ہو گیا اور اس کے جاسوس بھی تلاش میں لگ گئے، لیکن کامیابی اسی ملک کو ہوئی، جس نے یہ کھیپ بھیجی تھی — اس کے چالاک جاسوس نے دوسرے جاسوسوں کو غلط راستے پر ڈالنے کے لیے چال چلی اور انعام باری کے گھر پہنچ گیا — اسے زمین خریدنے کی پیش کش کی — دوسرے جاسوس پہلے ہی اس کی نگرانی کر رہے تھے — انہوں نے بھی زمین خریدنے کی پیش کشیں شروع کر دیں — انعام باری گھبرا گیا کہ آخر اس کی زمین کے خریدار اچانک کیوں پیدا ہو گئے ہیں — وہ غریب میرے پاس دوڑا آیا۔ اس وقت میں یہ سمجھا تھا کہ زمین میں شاید کوئی خزانہ دفن ہے اور کچھ لوگوں کو اس کا پتا چل گیا ہے، لہٰذا ان لوگوں کو سامنے لانے کے لیے میں نے زمین کو نیلام کرنے کا فیصلہ کر لیا — زمین نیلام ہو گئی اور اسے سیٹھ ابرار نے خرید لیا — یہ دوسرے بڑے ملک کا جاسوس ہے — پہلے بڑے ملک کو بھلا اس زمین کی کیا پروا ہو سکتی تھی — اسے تو معلوم تھا کہ وہ زمین فرضی زمین ہے — اس دوران وہ اصل زمین کے ٹکڑے کی تلاش میں رہے — اس کے لیے انہوں نے محکمہ قدرتی وسائل کے دفتر کا ریکارڈ حاصل کرنے کا پروگرام بنایا۔ جدید ترین دوربین کے ذریعے یہ مطلب حاصل کیا گیا اور اس طرح انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ میدانی علاقہ کونسا ہے، جس میں ایک چٹان بھی ابھری

ہوئی ہے — وہاں انہوں نے آلات کی مدد سے اصل جگہ معلوم کرلی۔
ادھر میں نے انعام باری کی زمین کھدوائی تو اس میں کچھ بھی نہ نکلا۔
دراصل دشمنوں نے اس زمین میں ایک گڑھا خود بنا دیا تھا اور کچھ
ایٹمی ذرات بھی بکھیر دیے تھے، تاکہ دوسروں کو یقین آجائے کہ وہ
یہی گڑھا ہے، اس طرح دوسروں کو غلط جگہ مصروف رکھ کر وہ چپ
چپاتے اسے نکال لے جانا چاہتے تھے — میری کھدائی پر جب اندر سے
کچھ نہ نکلا تو سیٹھ ابرار کو بھی معلوم ہوگیا — اس نے اصل مجرم کی پہلے
ہی نگرانی شروع کرا رکھی تھی — اسے اطلاع ملی کہ وہ لوگ ادھر آتے دیکھے
گئے ہیں تو وہ بھی اپنے دو ساتھیوں کو لے کر ادھر نکل آیا، لیکن مجرم
ان سے بھی چالاک تھا۔ اس نے پہلے ہی انتظام کر رکھا تھا۔ اپنے
آدمیوں کو درختوں پر چڑھا رکھا تھا، لہذا انہوں نے اوپر سے وار کر
کے انہیں بے ہوش کر دیا — یہ کارروائی چونکہ ان تینوں کے سامنے ہوئی
اس لیے یہ زد میں نہیں آئے۔ اب رہ گیا یہ سوال کہ اصل مجرم کون
ہے، تو اس بوڑھے کے چہرے سے ڈاڑھی اتار کر دیکھ لیتے ہیں۔" یہاں
تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہوگئے۔

"ڈاڑھی اتار کر؟" کئی آوازیں ابھریں۔

"جی ہاں، اس لیے کہ اس کی ڈاڑھی نقلی ہے، لیکن پہلی ملاقات
میں میں یہ بات نہ بھانپ سکا، اس لیے دھوکا کھا گیا اور یہ مجھ سے
دوربین ہتھیا لائے — چلو محمود، ڈاڑھی اتار لو۔"

"ڈاڑھی اتارے بغیر بھی ہم اس کا نام بتا سکتے ہیں ابا جان۔"

"بہت خوب، تو تم نے اسے پہچان لیا ہے — میں اگرچہ اس
کیس کے دوران اس سے نہیں مل سکا، لیکن پھر بھی حالات اور
واقعات پر غور کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکال چکا ہوں کہ ہمارے مجرم
کا نام ہوش فاروقی ہے — اسی نے سر تابش کی آواز میں گورنر صاحب
کو سفارش کے لیے فون کیا تھا۔"

"آپ نے بالکل ٹھیک اندازہ لگایا — ہم اس کی آواز سن
کر ہی یہ بات جان گئے تھے — دوسرے یہ کہ غالی تمام دن اس
کے گھر میں رہا۔"

"یہ — یہ آپ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔" کئی حیرت زدہ آوازیں
ابھریں۔

"اگر یقین نہیں تو ڈاڑھی اتار کر دیکھ لیں۔ ملک کا مشہور شاعر
اور غیر ملکی جاسوس۔" انسپکٹر جمشید نے تلخ لہجے میں کہا۔

اور پھر بے ہوش مجرم کو جب بے نقاب کیا گیا تو ان کے
اندازے کی تصدیق ہوگئی — سب کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی
گئیں —

"آؤ بھئی، اب چلیں — کھیل ختم ہوگیا — اتنا ضرور ہے کہ اس
کیس میں ملک کے ہاتھ بہت قیمتی چیز آئی ہے، لیکن اتنی ہی خطرناک
بھی۔"

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔ کم خطرناک اور کم قیمت چیزیں تو ہمارے راستے میں آتی ہی نہیں، بس طرح کنی کترا جاتی ہیں، جیسے ہم کوئی جن بھوت ہوں۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"کم از کم تم ضرور جن یا بھوت ہو سکتے ہو۔" فرزانہ نے جل کر کہا۔

"کیوں، کیا تم نے میرے سر پر سینگ دیکھ لیے ہیں؟"

"ابھی بچے ہو نا، سینگ نہیں نکلے۔" فرزانہ مسکرائی اور سب کھی کھی کرنے لگے۔ فاروق نے اتنا کڑوا سا منہ بنایا کہ کھی کھی میں تیزی آ گئی۔